

اسلام

کا

نظامِ تقسیمِ دولت

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب

دارالاشاعت کراچی

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۷	شرکت	۵	حرف آغاز
۲۸	مضاربت	۸	تہنید
۲۸	سود کا کاروبار	۹	معاشی مسئلہ کا مقام
۲۳	کرایہ اور سود کا فرق	۱۱	دولت اور ملکیت کی حقیقت
۳۳	حرمت سود کا اثر تقسیم دولت پر	۱۵	تقسیم دولت کے اسلامی مقاصد
۳۵	ایک شہ اور اس کا ازالہ	۱۶	ایک قابل عمل نظم معیشت کا قیام
۳۸	اجروں کا مسئلہ	۱۶	حق کا حقدار کو پہنچانا
۴۵	تقسیم دولت کے ثانوی مددات	۱۸	از سکا زد دولت کی بیخ کنی
۴۶	زکوٰۃ	۱۹	تقسیم دولت کا اسلامی نظام
۴۷	عشر	۲۰	تقسیم دولت کو سرمایہ دارانہ نظریہ
۴۸	کفارات	۲۱	تقسیم دولت کا اشتراکی نظریہ
۴۸	صدقۃ الفطر	۲۱	تقسیم دولت کا اسلامی نظریہ
۴۹	نفقات	۲۲	دولت کے اولین مستحق
۴۹	دراشت	۲۳	اشتراکیت اور اسلام
۵۲	حسراج و جزیہ	۲۵	سرمایہ داری اور اسلام
۵۳	پیشہ ورانہ گد اگر کی گانہداد	۲۶	آجر سرمایہ اور محنت سے الگ نہیں
		۲۷	افسردہ کاری کا روبرو

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

حِفْظِ عَائِلَتِ

حالہ ہی میں پاکستان کی وزارت قانون نے راولپنڈی میں ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد کی تھی جس میں مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک پورے عالم اسلام کے مسلمان اہل فکر کو مدعو کیا گیا تھا، نیز ملکی مسند دین میں سے مفتی اعظم فلسطین جناب الحاج محمد امین الحسینی، جناب شیخ باقوری (جامعت الازہر، جناب ڈاکٹر حبیب اللہ (جامعت الازہر) شیخ منصور المحبوب (چیف جسٹس لیبیا)، شیخ حسن کتبی (سعودی عرب)، ڈاکٹر حسین نصر (ایران) شیخ عبدالرحمن الدکالی (مراکش) پروفیسر ابراہیم حسن (انڈونیشیا) کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ پاکستان کے علماء دین اور اہل فکر کی ایک بڑی تعداد نے اس کانفرنس میں شرکت کی۔

یہ مقالہ — ”اسلام کا نظام تقسیم حکومت“ — میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم العالی نے اسی کانفرنس کے لئے تحریر فرمایا، اور ۱۲ دیقعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۲ فروری ۱۹۶۵ء کی صبح کو اس کی تلخیص کانفرنس

کے کھلے اجلاس میں پڑھ کر سنائی۔ اس محفل میں اہل علم و فکر کا منتخب ذہن موجود تھا، اس مقالے کو حاضرین نے بڑی دل چسپی کے ساتھ سنا شیخ الازھر جناب باقوری نے مفت اسن کر کہا:

”واقفہ علم غزیر!“

راقم الحروف اس میں موجود تھا، اجلاس کے بعد مختلف طبقہ ہائے خیال کے حضرات سے فکر میں نے محسوس کیا کہ مقالے نے سامعین پر غیر معمولی اثر چھوڑا ہے، ان سب کی زبان پر ایک ہی فرمائش تھی کہ اس مقالے کو الگ شائع کر دیا جائے چنانچہ زیر نظر رسالہ انہی حضرات کی فرمائش کی تعمیل ہے۔

ماہ محرم ۱۳۷۷ء کے ماہنامہ البلاغ میں یہ مقالہ پورا شائع کر دیا گیا، اس کی شائع کے بعد اہل علم و فکر کے جو خطوط ہمیں موصول ہوئے ان سے اندازہ ہوا کہ علمی حلقوں میں اس کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی ہے، روزنامہ جنگ راولپنڈی، الحی اکوڑہ خشک، اور المعتمدان کنوئیں بھی اسے نقل کیا گیا، مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی — ۱۹ اپریل ۱۳۷۷ء کے ”صدق جدید“ میں ”ایک قابل قدر مقالہ“ کے عنوان سے ایک ادارتی شذرے میں لکھتے ہیں:

”حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے علمی جانشین اس وقت دو صاحب ہیں.... ان میں ایک صاحب سرپرستی ماہنامہ البلاغ دکنراچی کی کر رہے ہیں، اور رسالہ وقت کی ایک بہترین دینی خدمت انجام دے رہا ہے، اور ایک بہت بڑی بات پرچہ کا اقتضال، اس کی میانہ روی اور اس کی غایت احتیاط ہے۔ اس کے نازہ نمبر (مستمر اپریل) میں ہمیں مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچی کے

قلم سے ایک قابل دید مقالہ دولت کی تقسیم پر نکلا ہے۔ طریق تفہیم بالکل
علامہ تھانویؒ کے دنگ کا سادہ و سلیس عبارت میں بغیر مصطلحات فن سے
بوجھل کئے ہوئے اسلامی معاشیات کو پانی کی طرح حل کر دیا ہے۔ (ص ۱۴)

مقالہ کا صحیح مقام تو آپ اس کے مطالعہ کے بعد ہی معلوم کر سکیں گے، لیکن اتنا
معرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مقالہ میں تقسیم دولت کے موضوع پر بالکل اچھوتے
اسلوب سے خالص فنی انداز میں گفتگو کی گئی ہے، سرمایہ داری، اشتراکیت اور
اسلام کے مختصر مگر جامع تقابلی کے علاوہ اس میں حرمت سود کی معاشی توجیہات
اور اسلام کے فلسفہ ملکیت پر بھی فکر انگیز بحثیں آگئی ہیں۔ امید ہے کہ انشاء اللہ یہ
مقالہ علماء دین کے علاوہ معاشیات کے محققین کے لئے بھی نہایت کارآمد ثابت
ہوگا، اور جو حضرات اسلامی معاشیات کو مدون کرنا چاہ رہے ہیں ان کیلئے تحقیق
نظر کی نئی راہیں کھولے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ مقالہ زیادہ سے زیادہ ہمارے
صحابہ فکر کی نگاہوں سے گزرے، اور وہ پوری سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور فرمائیں۔ امید
ہے کہ آپ بھی اس کا بغیر میں ہائے ساتھ تعاون فرمائی گئے، اور اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی
کوشش کریں گے۔ واللہ الموفق

محمد تقی عثمانی

مدیر ماہنامہ البلاغ، کراچی

۲۸ ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى

”تقسیم دولت“ کی بحث معاشی زندگی کے ان اہم ترین مباحث میں سے ایک ہے جنہوں نے آج کی دنیا میں عالمگیر انقلابات کو جنم دیا ہے، اور عالمی سیاست سے لیکر ایک فرد کی نجی زندگی تک ہر شعبہ اس سے متاثر ہوا ہے۔ صدیوں سے اس موضوع پر مذبذبانہ، قلبی اور حربی معرکے گرم ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ”وحی الہی“ کی رہنمائی کے بغیر ذی عقل کے بل پر اس موضوع کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس نے اس ابھی ہوئی دور کے خم و پیچ میں کچھ اور اضافہ کر دیا ہے۔

زیر قلم مقالے میں پیش نظر یہ ہے کہ قرآن و سنت اور مفکرین اسلام کی کاوشوں سے اس معاملے میں ”اسلام“ کا جو نقطہ نظر سمجھ میں آتا ہے، اسے واضح کیا جائے، وقت کی تنگی اور صفحات کے محدود ہونے کی وجہ سے یہ تو ممکن نہیں ہے کہ اس موضوع کو پورے بسط اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، البتہ اس کے اہم نکات کو اختصار مگر جامعیت کے ساتھ عرض کرنے کی کوشش ہوگی۔

شرآن و سنت اور اسلامی فقہ سے تقسیم دولت ”کے بارے میں سلام کا جو موقف اختیار نہ سمجھا ہے، اسے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ کچھ بنیادی باتیں واضح کر دی جائیں جو اسلامی معاشیات کے تقریباً ہر مسئلے میں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں، انہیں آپ ”اسلامی نظریہ تقسیم دولت کے اصول“ کہہ

لیجئے، اس کا فلسفہ سمجھ لیجئے، یا اس نظریے کے مقاصد قرار دیجئے، بہر حال! یہ چند وہ باتیں ہیں جو ستر آن کریم سے مولیٰ طویر پر سمجھ میں آتی ہیں، اور اسلام کے معاشی طرز فکر کو غیر اسلامی معاشیات سے متاثر کرتی ہیں۔

۱۔ معاشی مسئلہ کا مقام

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام رہبانیت کا مخالف ہے اور انسان کی معاشی سرگرمیوں کو جائز، مستحسن بلکہ بسا اوقات واجب اور ضروری قرار دیتا ہے، انسان کی معاشی ترقی اس کی نگاہ میں پسندیدہ ہے اور ”کسب حلال“ اس کے نزدیک فریضہؑ بعد فریضہؑ کا مقام رکھتا ہے، لیکن ان تمام باتوں کے ساتھ حقیقت بھی اتنی ہی واضح ہے، کہ اسلام کی نظر میں انسان کا بنیادی مسئلہ ”معاش“ نہیں ہے، اور نہ ”معاشی ترقی“ اس کے نزدیک انسان کا مقصد زندگی ہے۔

معمولی سوجھ بوجھ سے یہ حقیقت سمجھ میں آ سکتی ہے کہ کسی کام کا جائز، مستحسن یا ضروری ہونا ایک الگ بات ہوتی ہے۔ اور اس کا مقصد زندگی اور محور فکر و عمل ہونا بالکل جدا چیز۔ اسلام کے معاشی مسائل پر بحث کرتے وقت بہت سی الجھنیں اور غلط فہمیاں ابھی دو چیزوں کو غلط ملط کرنے سے پیدا ہوتی ہیں، اس لئے پہلے ہی قدم پر اس بات کا صاف ہو جانا ضروری ہے، درحقیقت اسلامی معاشیات اور مادی معاشیات کے درمیان ایک گہرا، بنیادی اور دور رس فرق یہی ہے کہ مادی معاشیات میں ”معاش“ انسان کا

لے اسباب معاش کو بالکل ترک کر کے عبادت میں لگ جانا۔ ۱۲

۱۲۔ دوسرے درجے کا فرق

بنیادی مسئلہ اور معاشی ترقیات اس کی زندگی کا منہبائے مقصود ہیں، اور اسلامی معاشیات میں یہ چیزیں ضروری اور ناگزیر ہوتی ہیں، لیکن انسان کی زندگی کا اصل مقصد نہیں ہیں۔

اس لئے جہاں ہیں قرآن کریم میں ”وہبنا بیت“ کی مذمت اور ”والبغوا من فضل اللہ“ کے احکام ملتے ہیں، جہاں ہیں تجارت کے لئے ”فضل اللہ“ اموال کے لئے ”تخیر“ اور ”التی جعل اللہ لکم قیاماً“ خوراک کے لئے ”الطیبات من الرزق“ لباس کے لئے ”زینۃ اللہ“ اور رہائش کے لئے ”سکن“ کے اقترامی القاب ملتے ہیں، وہاں دینیوی زندگی کے لئے ”متاع الغرور“ کے الفاظ بھی نظر آتے ہیں، ان سب چیزوں کے لئے ”الدنیا“ کا لفظ ملتا ہے جو اپنے لغوی مفہوم کے اعتبار سے کچھ اچھا تاثر نہیں دیتا، اور قرآن کریم کے مجموعی اسلوب سے بھی اس کی ذمات اور حقارت سمجھ میں آتی ہے۔

کو تاہم نظری اس موقع پر تضاد کا شبہ پیدا کر سکتی ہے، لیکن درحقیقت اس کے پیچھے اصل راز یہی ہے کہ قرآن کریم کی نظروں میں تمام وسائل معاش انسان کی رہگذر کے مرحلے ہیں، اس کی اصل منزل درحقیقت ان سے آگے ہے، اور وہ ہے کردار کی بلندی اور اس کے نتیجے میں آخرت کی بہبود، ان کا اصل مسئلہ اور اس کی زندگی کا بنیادی مقصد انہی دو منزلوں کی تکمیل ہے لیکن چونکہ ان دو منزلوں کو دنیا کی شاہراہ سے گزرے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا، اس لئے وہ تمام چیزیں بھی انسان کے لئے ضروری ہو جاتی ہیں

لے اللہ کا رزق کا شش کرو۔ ۱۱ (۱۰: ۶۲)

لے مال کو اللہ نے تمہاری بہت کافریہ بنایا ہے۔ ۱۲ (۴: ۴)

لے سکون و اطمینان کی جگہ ۱۳ (۸۰: ۱۶)

لے دھوکے کا سامان۔ ۱۴ (۳: ۱۸۵)

جو اس کی دینیوی زندگی کے لئے ضروری ہیں چنانچہ جب تک وسائلِ معاش انسان کی اصل منزل کے لئے رہگذار کام دیں، وہ "فضل اللہ"، "حنید"، "زینۃ اللہ" اور "سکینہ" ہیں، لیکن جہاں انسان اسی رہگذار کی بھول بھلیسر میں الجھ کر رہ جائے اور اس پر اپنی اصل منزل مقصود کو مستربان کر ڈالے یا بالفاظِ دیگر وسائلِ معاش کو "رہ گذر" بنانے کے بجائے اپنی منزل مقصود کے راستے میں رکاوٹ بنا دے تو پھر یہی وسائلِ معاش "متاع الغرور"، "فتنۃ" اور "عَلَق" بن جاتے ہیں۔

شرآن کریم نے ایک مختصر جملے وایتع فیما آتاکم اللہ الذارالآخرۃ میں اسی بنیادی حقیقت کو بیان فرمایا ہے، اس کے علاوہ اس مضمون کی بہت سی آیات ہیں، اہل علم کے سامنے تمام آیات کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، احقر کی رائے میں "انسانی معاش" کے متعلق قرآن کریم کی یہ روش اور اس کے دو مختلف پہلوں نظر میں رہیں تو اسلامی معاشیات کے بہت سے مسائل حل کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۲۔ دولت اور ملکیت کی حقیقت

دوسری بنیادی بات جو خاص طور سے "تقسیم دولت" کے مسئلے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، یہ ہے کہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق "دولت" خواہ کتنی شکل میں ہو اللہ کی پیدا کردہ اور اصلاً اسی کی ملکیت ہے، انسان کو کسی چیز پر ملکیت کا جو حق حاصل ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی عطیہ ہوتا ہے، سورہ نور میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

وَأَقْوَمُ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي أَتَاكُمْ (۲۴: ۳۳)

”اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو عطا کیا ہے۔“
اس کی وجہ بھی قرآن کریم نے ایک دوسری جگہ بتلا دی ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ یہی تو کر سکتا ہے کہ عمل پیدائش میں اپنی کوشش صرف کرے۔ لیکن اس کوشش کو بار آور کرنا، اور اس سے پیداوار کا مہیا کرنا خدا کے سوا کون کر سکتا ہے؟ انسان کے بس میں اتنا ہی تو ہے کہ وہ زمین میں بیج ڈال دے، لیکن اس بیج کو کوئی پل اور کوئی پل کو درخت بنانا تو کسی اور ہی کا کام ہے، ارشاد ہے:

أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ؟ أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ (۵۶: ۶۳)
”دیکھو تو جو کچھ تم کاشت کرتے ہو، کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے؟“
اور سورہ یس میں ہے:

يَا كَلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا بِهِ ثَمَرٌ ۖ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْفَاسِقِينَ
”یعنی ہم نے زمین میں چشہ جاری کئے تاکہ وہ درختوں کے پھل کھائیں، مالا کھیے پھل اُن کے ہاتھوں نے نہیں بنائے سو کیا وہ شکر نہیں کرتے؟“ (۳۶: ۳۵)
نیز ارشاد ہے:

أَوَلَمْ نَرَوْا أَنَا خَلَقْنَا لَهُمْ مَا عَمِلُوا أَيْدِينَا أَنْعَمَّا فَهُمْ مَالِكُونَ
”سورہ یسن آیت ۱۱“

”کیا ان لوگوں نے اس پر نظر نہیں کیا کہ ہم نے ان کے لئے جانوروں کو پلنے ہاتھ سے بنا کر پیدا کیا، پھر یہی لوگ اُن کے مالک بن رہے ہیں؟“

یہ تمام آیات اس بنیادی نکتے پر وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالتی ہیں کہ دولت خواہ کسی شکل میں ہو، اصلاً اللہ کی پیدا کردہ اور اُسی کی ملکیت ہے، اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ

جس کو عطا کر دیتے ہیں وہ اس کا مالک بن جاتا ہے۔ اور آخری آیت میں جہاں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر چیز کا اصل خالق اور مالک اللہ تعالیٰ ہے وہیں ”ہم لہا ما نکون“ فرما کر بظاہر حق تعالیٰ انسان کی انفرادی ملکیت کو بھی واضح طور پر قائم کر دیا ہے۔ پھر اسلام کی نظر میں چونکہ ”دولت“ پر اصل ملکیت اللہ کی ہے، اور اسی نے انسان کو اس میں تصرف کرنے کا حق عطا کیا ہے، اس لئے اسی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس دولت پر انسان کے تصرفات کو اپنی مرضی اور اپنے مصالح کا پابند بنائے۔ چنانچہ انسان کو اپنی زیر تصرف اشیا پر ”ملکیت“ تو حاصل ہے مگر یہ ملکیت آزاد، خود مختار اور بے گام نہیں ہے، اس پر دولت کے اصل مالک کی طرف سے کچھ حدود و قیود اور پابندیاں عائد ہیں جس جگہ وہ اس دولت کو خرچ کرنے کا حکم دیدے، وہاں اس کے لئے خرچ کرنا ضروری ہے، اور جہاں خرچ کی ممانعت کر دے، وہاں رک جانا لازم ہے، اسی بات کو سورہ قصص میں زیادہ وضاحت کے ساتھ کھول دیا گیا ہے:

وَأَتَّبِعْ فِيْمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدَّارِ
 وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ
 ”جو تجھ کو اللہ نے دیا ہے اس سے بچلا گھر آخرت کا تو نہ، کمالے اور دنیا سے
 اپنا حصہ بھول اور بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھ سے بھلائی کی اور ملک میں
 حسد اپنی ڈالنی مت چاہ“ (۲۸: ۷۷)

اس آیت نے اسلام کے فلسفہ ملکیت کو خوب کھول کر بیان فرما دیا ہے، اس سے مندرجہ ذیل ہدایات واضح طور پر سامنے آتی ہیں:

(۱) انسان کے پاس جو کچھ دولت ہے، وہ اللہ کی دی ہوئی ہے۔ (إِنَّا لِلَّهِ

(۲) انسان کو اس کا استعمال اس طرح کرنا ہے کہ اس کی منزل مقصود و آخرت ہو۔ (واجب..... الدار الاخریٰ)

(۳) چونکہ دولت اللہ کی دی ہوئی ہے، لہذا اس پر انسان کا تصرف حکیم خداوندی کے تابع ہوگا، اب حکیم خداوندی کی دو شکلیں ہیں، ایک یہ کہ وہ انسان کو اس بات کا حکم دے کہ مال کا کوئی حصہ کسی دوسرے کو دیدو، اس کی تعمیل اس لئے ضروری ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے، تو وہ تمہیں دوسرے پر احسان کا حکم دے سکتا ہے۔ (وَأَحْسِنَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ)۔

(۴) دوسری شکل یہ ہے کہ وہ تم کو اس دولت کے تصرف سے منع کرے، اس کا بھی اس کو اختیار ہے، کیونکہ وہ تمہیں دولت کے کسی ایسے استعمال کی اجازت نہیں دے سکتا جس سے اجتماعی خرابیاں پیدا ہوں، اور زمین میں شر و فساد پھیلے (وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ)۔

یہی وہ چیز ہے جو اسلام کو سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے نظریہ ملکیت سے ممتاز کرتی ہے، سرمایہ داری کا ذہنی پس منظر چونکہ نظری یا علی طور پر مادیت ہے، اس لئے اس کے نزدیک انسان کو اپنی دولت پر آزاد اور خود مختار ملکیت حاصل ہے، وہ اس کو جس طرح چاہے صرف کر سکتا ہے، لیکن قرآن کریم قوم شعیب علیہ السلام کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے اس نظریے کا مذمت کے پیرائے میں ذکر کیا ہے، وہ لوگ کہا کرتے تھے:

أَمْ لَوْ تَكُنْ أَتَمَرُكَ أَنْ تَقْرُبَ مَا يَجِدُ آبَاؤُنَا وَأَنْ

نَفْعَلُ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ (۱۱: ۸۶)

”کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادوں کے معبودوں کو چھوڑ دیں، یا اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف کرنا ترک کر دیں؟“ وہ لوگ چونکہ ”اموال“ کو حقیقتہً ”اپنا“ (اموالنا) سمجھتے تھے، اس لئے ”فعل ما فشاء“ (جو چاہیں کریں) کا دعویٰ اس کا لازمی نتیجہ تھا، یہی فکر سرمایہ داری کے روح ہے اور قرآن کریم نے سورہ نور میں اپنے اموال، ”اموالنا“ کے لفظ کو مال اللہ اللہ کا مال، سے بدل کر سرمایہ دارانہ فکر کی اسی بنیاد پر ضرب لگائی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی ”الذی اناکم“ (جو تمہیں دیا ہے) کی قید لگا کر اشتراکیت کی بھی جڑ کاٹ دی ہے جو سرے سے انسان کی انفرادی ملکیت ہی کا انکار کرتی ہے۔

اب اسلام، سرمایہ داری اور اشتراکیت کے درمیان واضح خط امتیاز اس طرح کھینچا جاسکتا ہے کہ:

سرمایہ داری ——— آزاد اور خود انفرادی ملکیت کی قائل ہے
 اشتراکیت ——— انفرادی ملکیت کا سرے سے انکار کرتی ہے
 اور حق ان دو انتہاؤں کے درمیان ہے، یعنی
 اسلام ——— انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا ہے، مگر یہ ملکیت آزاد اور خود مختار نہیں جس سے ”فساد فی الارض“ پھیل سکے۔

۳۔ تقسیم دولت کے اسلامی مقاصد

اسلام نے تقسیم دولت کا جو نظام مقرر کیا ہے، اور جس کا خاکہ انشا اللہ آگے پیش کیا جائے گا، قرآن کریم پر غور کرنے سے اس کے تین مقاصد معلوم ہوتے ہیں:

الف۔ ایک قابل عمل نظم معیشت کا قیام

تقسیم دولت کا سب سے پہلا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ دنیا میں معیشت کا ایک ایسا نظام نافذ کیا جائے جو فطری اور قابل عمل ہو، اور جس میں ہر انسان جبر و تشدد کے بجائے قدرتی طور پر اپنی لیاقت اپنی استعداد اپنے اختیار اور اپنی پسند کے مطابق خدمات انجام دے تاکہ اس کی خدمات زیادہ موثر، مفید اور مستحکم ہوں، اور یہ بات "مستاجر" (جسے مروجہ معاشی اصطلاح میں آجر کہا جاتا ہے) اور "اجیر" کے مستحکم رشتے اور "رسد" و "طلب" کی فطری قوتوں کے صحیح استعمال کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس لئے اسلام نے انھیں تسلیم کیا ہے۔

اسی بات کی طرف مندرجہ ذیل آیت میں جامع اشارہ فرمایا گیا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا

"ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیوی زندگی میں تقسیم کیا ہے اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجات کے اعتبار سے فوقیت دی ہے تاکہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے" (۴۳: ۳۲)

ب۔ حق کا حقدار کو پہنچانا

اسلام کے نظام تقسیم دولت کا دوسرا مقصد حق کا حقدار کو پہنچانا ہے

منہ صحیح استعمال کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ ان قوتوں کا غلط استعمال بھی ممکن ہے، اور سرمایہ داری میں جوتا رہا ہے، اسلام نے انفرادی ملکیت کی بے لگامی کو ختم کر کے اسی غلط استعمال کی بجائے گنتی کی ہے۔

لیکن اسلام میں استحقاق کا معیار دوسرے نظام ہائے معیشت سے قدرے مختلف ہے۔ مادی معاشیات میں دولت کے استحقاق کا صرف ایک راستہ ہوتا ہے، اور وہ ہے مل پیدا نش میں شرکت۔ جتنے عوامل دولت کی پیداوار میں شریک ہوتے ہیں، انہی کو دولت کا سٹیج سمجھا جاتا ہے، اور بس! اس کے برخلاف اسلام کا بنیادی اصول چونکہ یہ ہے کہ دولت اصلاً اللہ کی ملکیت ہے، اور وہی اس کے استعمال کے قوانین متعین فرماتا ہے، اس لئے اسلام میں دولت کے حقدار صرف مالین پیدا نش ہی نہیں ہوتے بلکہ ہر وہ شخص بھی دولت کا سٹیج ہے جس تک کا پہنچنا اللہ نے ضروری قرار دیا ہے، لہذا فقراء و مساکین اور معاشرے کے نادار اور بیکس انسانو بھی دولت کے حقدار ہیں، اس لئے کہ جن عوامل پیدا نش پر اولاً دولت تقسیم ہوتی ہے، ان کے ذمے اللہ نے لازم کیا ہے کہ وہ ان تک اپنی دولت کا کچھ حصہ پہنچائیں اور قرآنی تصریحات کے مطابق یہ غفلوں اور ناداروں پر ان پر کوئی احسان نہیں ہے، بلکہ وہ فی الواقعہ دولت کے سستی ہیں، ارشاد ہے:

فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّمَعْلُومٍ لِّلضَّالِّينَ وَٱلْمَحْرُومِ

"اور ان کے اموال میں سائل اور محروم کا ایک معین حق ہے" (۲۴:۶۰)

اسی حق کو بعض مقامات پر اللہ کا حق تسلیم کیا گیا ہے، کھیتیوں کے بارے میں

نہر مایا جاتا ہے:

وَإِذَا حُتِّبَ يَوْمَ حِصَّانٍ (۱۱۱:۶)

"اور اس (کھیتی) کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کر دیا"

ان دونوں آیتوں میں "حق" کا لفظ ظاہر کر رہا ہے کہ استحقاق دولت کا مفہوم

صرف عمل پیدائش ہی نہیں ہے، بلکہ مفلس و نادار افراد بھی دولت کے ٹھیک اس طرح مستحق ہیں جس طرح اس کے اولین مالک۔

لہذا اسلام دولت کو اس طرح تقسیم کرنا چاہتا ہے کہ اس سے تمام عوام میں پیدائش کو ان کے عمل کا حصہ بھی پہنچ جائے، اور اس کے بعد ان لوگوں کو بھی ان کا حصہ مل جائے جنہیں اللہ نے مستحق دولت قرار دیا ہے، ان دونوں قسم کے حقداروں کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ج۔ ازبکاز دولت کی سطح کنی

تقسیم دولت کا تیسرا مقصد جس کو اسلام نے بہت اہمیت دی ہے، یہ ہے کہ دولت کا ذخیرہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشرے میں زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر گردش کرے، اور اس طرح امیر و غریب کا تفاوت جس حد تک فطری اور قابل عمل ہو، کم کیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلام کا طرز عمل یہ ہے کہ دولت کے جو اولین مآخذ اور دہانے ہیں، ان پر اس نے کسی فرد یا جماعت کا پھر نہیں بیٹھنے دیا، بلکہ معاشرے کے ہر فرد کو ان سے استفادے کا مساوی حق دیا ہے، کانیں جنگل، غیر ملوک، بنجر زمینیں جنگل اور پانی کا شکار، خورد و گھاس، دریا اور سمندر، مال غنیمت وغیرہ یہ تمام پیدائش دولت کے اولین مآخذ ہیں، اور ان میں ہر فرد کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ ان سے اپنے کسب و عمل کے مطابق فائدہ اٹھائے، اور اس پر کسی کی اجار داری قائم نہیں

کیلا یكون دولة بین الاغنیاء منکم (۵۹:۱)

لے دیا ہے کہ یہ آیت مال غنیمت کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ وہ بھی محمول دولت کے اولین مآخذ میں سے ہے۔

تاکہ یہ دولت ہم میں سے (صرف) مالداروں کے درمیان دائر ہو کر نہ رہ جائے۔
 اس کے بعد جہاں انسانی عمل کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کوئی شخص اپنے
 کسب و عمل سے کوئی دولت حاصل کرتا ہے تو وہاں اس کے کسب و عمل کا احترام کر کے
 اس کی ملکیت کو تسلیم کیا گیا ہے، اور اس میں ہر ایک کو اس کے کسب و عمل کے مطابق حصہ
 دیا گیا ہے، اور اس معاملے میں ارشاد یہ ہے کہ:

مَنْ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ
 فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ سُلْطَانًا (۳۲: ۴۳)

”ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو تقسیم کیا ہے اور ان میں سے
 بعض کو بعض پر درجات کی فوقیت دی ہے، تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکے“
 لیکن درجات کے اس فرق کے وجود پر ایسے احکام دیدئے گئے ہیں کہ
 یہ فرق اسی قدر رہے جتنا ایک قابل عمل نظم معیشت کے قیام کے لئے ضروری ہے۔
 نہ ہو کہ دولت کا ذخیرہ صرف چند ہاتھوں میں سمٹا رہے۔

تقسیم دولت کے ان تین مقاصد میں سے پہلا مقصد اسلامی معیشت
 کو اشتراکیت سے ممتاز کرتا ہے، تیسرا مقصد سرمایہ دارانہ نظام سے، دوسرا دونوں سے
 جس کی تفصیل عنقریب عرض کی جائے گی۔

تقسیم دولت کا اسلامی نظام

اسلامی نظم معیشت کے ان چند بنیادی اصولوں کی طرف اشارہ کرنے کے
 بعد اب میں مختصراً تقسیم دولت کا وہ نظام بیان کرنے کی کوشش کرتا ہوں جو
 قرآن و سنت اور فقہار امت کی کاوشوں سے سمجھ میں آتا ہے لیکن اس کو پوری

طرح سمجھنے کے لئے اُس کے بالمقابل دوسرے نظاموں اور نظریوں کا سامنے رکھنا بھی ضروری ہے جس کی تشریح یہ ہے۔

تقسیم دولت کا سرمایہ دارانہ نظریہ

سرمایہ دارانہ نظم معیشت میں ”تقسیم دولت“ کا جو نظام مقرر کیا گیا ہے، پہلے اس پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، مختصر لفظوں میں اس نظریے کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے، کہ دولت انہی لوگوں پر تقسیم ہونی چاہیے جنہوں نے اس کی پیداوار میں حصہ لیا ہے، اور جنہیں معاشی اصطلاح کے مطابق ”عالمین پیداوار“ کہا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشیات میں یہ کل چار عوامل ہیں :

(۱) سرمایہ : جس کی تعریف ”پیدا کردہ ذریعہ پیدائش“ سے کی گئی ہے، یعنی وہ شے جس پر ایک مرتبہ انسانی عمل پیدائش ہو چکا ہو، اور اسے ایک دوسرے عمل پیدائش کے لئے ذریعہ بنایا جا رہا ہو۔

(۲) محنت : یعنی انسانی عمل

(۳) زمین : جس کی تعریف ”قدرتی وسائل“ سے کی گئی ہے، یعنی وہ اشیاء جو

ان ان کے کسی سابقہ عمل پیدائش کے بغیر پیدائش کا وسیلہ بن رہی ہوں۔

(۴) آجریات تنظیم : یعنی وہ جو تمام عامل جو مذکورہ بالا تینوں عوامل کو جوڑ کر انہیں کام میں لگاتا اور نفع و نقصان کا خطرہ مول لیتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظم معیشت میں ان چارہ عالمین پیداوار کے مشترکہ عمل سے

جو پیداوار ہوتی ہے، اس کو انہی چاروں پر اس طرح تقسیم کیا جاتا ہے کہ ایک حصہ

سرمایہ کو سود کی شکل میں دیا جاتا ہے، دو مرحلہ محنت کو اجرت کی شکل میں دیا ہے، تیسرا حصہ زمین کو لگان یا کرایہ کی صورت میں ملتا ہے، اور چوتھا حصہ آجر کے لئے منافع کی صورت میں باقی رکھا جاتا ہے۔

تقسیم دولت کا اشتراکی نظریہ

اس کے برخلاف اشتراکی معیشت میں چونکہ سرمایہ اور زمین کسی کی انفرادی ملکیت ہونے کے بجائے قومی ملکیت ہوتے ہیں، اس لئے سود اور لگان کا اس نظام کے فلسفے میں سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، آجر بھی اشتراکی نظام میں کوئی فرد واحد ہونے کے بجائے خود حکومت ہوتی ہے، اس لئے منافع بھی اس کے یہاں نظری طور پر خارج از بحث ہے، اب صرف "محنت" رہ جاتی ہے، اور اشتراکی نظام میں دولت کی وہی ستمی ہے جو لمے "اجرت" کی شکل میں ملتی ہے۔

تقسیم دولت کا اسلامی نظریہ

اسلام کا نظام تقسیم دولت ان دونوں سے مختلف ہے، اس کے نزدیک دولت کے مستحقین دو قسم کے ہیں، ایک اولین ستمی یعنی وہ لوگ جو کسی عمل پیدا نش کے بعد بلا واسطہ اس کے ستمی ہوتے ہیں، یہ مستحقین وہی عوامل پیداوار ہیں جنہوں نے کبھی پیداوار کے عمل پیدا نش میں حصہ لیا، دوسرے ثانوی مستحقین یعنی وہ لوگ

یہاں یہ واضح رہے کہ اس وقت گفتگو اشتراکیت کے اصل فلسفے سے ہو رہی ہے، اس کے موجودہ عمل سے نہیں۔ اشتراکی مالک کا موجودہ طریقہ عمل اس فلسفے سے بہت مختلف ہے۔

جو براہ راست عمل پیدائش میں شریک نہیں تھے، لیکن عاقلین پیدائش کے ذمے لازم کیا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں ان کو بھی شریک کریں۔ یہاں تحقیق دولت کی ان دو ذیلی قسموں کو ہم قدرے تفصیل سے بیان کرتے ہیں :

دولت کے اولین ستمی

جیسا کہ عرض کیا گیا، دولت کے اولین ستمی عوامل پیداوار ہوتے ہیں، لیکن عوامل پیداوار کی تقسیم ان کی اصطلاحات اور ان پر تقسیم دولت کے طریقے اسلام میں بعینہ وہ نہیں ہیں جو سرمایہ دارانہ نظم معیشت میں مقرر کئے گئے ہیں، بلکہ بہت مختلف ہیں، اسلامی نظریے کے مطابق پیدائش کے حقیقی عوامل چار کے بجائے تین ہیں :

(۱) سرمایہ یعنی وہ وسائل پیداوار جن کا عمل پیدائش میں استعمال کرنا اس وقت تک ممکن نہیں جب تک فروغ نہ کیا جائے۔ اور اسی لئے ان کا کرایہ پر چلانا ممکن نہیں ہے، مثلاً نقد روپیہ، یا اشیائے خورد و نی وغیرہ

(۲) زمین یعنی وہ وسائل پیداوار جن کا عمل پیدائش میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے، کہ ان کی اصلی شکل و صورت برقرار رہتی ہے، اور اسی لئے انہیں کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، مثلاً زمین، مکان، مشینری وغیرہ

(۳) محنت یعنی انسانی فعل خواہ وہ اعضاء و جوارح کا ہو، یا ذہن اور قلب کا۔

لہذا اس میں تنظیم اور منصوبہ بندی بھی داخل ہے۔

ان تین عوامل کے مشترکہ عمل سے جو پیداوار ہوگی، وہ اولاً انہی تینوں پر اس طرح

تقسیم کی جائے گی، کہ اس کا ایک حصہ سرمایہ کو بہ شکل منافع (نہ کہ بہ شکل سود) ملے گا،
 دوسرا حصہ زمین کو بہ شکل کرایہ دیا جائے گا، اور تیسرا حصہ محنت کو بہ شکل اجرت
 ملے گا، جس میں جسمانی محنت اور تنظیم و منصوبہ بندی کی ذہنی اور فکری محنت
 سب داخل ہیں۔

اشتراکیت اور اسلام

تقسیم دولت کا یہ نظام اشتراکیت سے بھی مختلف ہے، اور سرمایہ داری سے
 بھی، اشتراکیت سے تو اس کا فرق بالکل ظاہر ہے کہ اشتراکیت میں چونکہ انفرادی ملکیت
 کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، اس لئے اس میں تقسیم دولت صرف اجرت کی شکل میں
 ہوتی ہے، اس کے برخلاف اسلامی نظریہ تقسیم دولت کے جو اصول ہم نے شروع میں
 بیان کئے ہیں، ان کی روشنی میں کائنات کی تمام اشیاء اصلاً اللہ تعالیٰ کی ملکیت
 ہیں، یہ ان اشیاء میں سے ایک کثیر حصہ تو وہ ہے جسے اس نے وقف عام کے طور
 پر تمام انسانوں کو مساوی طور پر دے دیا ہے، آگ، پانی، ہوا، روشنی، خورد و گھاس
 جنگل اور پانی کا شکار، معاون، اور غیر ملوک، بنجر زمین وغیرہ اسی قسم میں داخل ہیں،
 جن پر کسی کی انفرادی ملکیت نہیں، بلکہ وہ وقف عام ہیں، ہر انسان ان سے فائدہ
 اٹھا سکتا ہے، اور ان کا مساوی طور پر حقدار ہے۔

دوسری طرف بعض اشیاء وہ ہیں جن میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کئے بغیر وہ
 قابل عمل اور فطری نظم معیشت قائم نہیں ہو سکتا جس کی طرف ہم نے تقسیم دولت
 کے پہلے مقصد میں اشارہ کیا ہے، اشتراک کی نظام کو اختیار کرتے ہوئے تمام سرمایہ اور

زمین کو کلیتہً حکومت کے حوالے کر دینے کا نتیجہ مال کا راس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ چھوٹے چھوٹے بیشمار سرمایہ داروں کو ختم کر کے ملکی دولت کے عظیم اٹان ذخیرے کو ایک بڑے سرمایہ دار کے حوالہ کرنا پڑتا ہے جو منی مانے طریقے پر دولت کے اس تالاب سے کھینچتا ہے، اور اس طرح اشتراکیت کا نتیجہ بدترین اربکناز دولت کی صورت میں سامنے آتا ہے، اس کے علاوہ اس سے دوسری بڑی خرابی یہ پیدا ہوتی ہے کہ انسانی محنت چونکہ اپنے اختیار اور مرضی کے فطری حق سے محروم ہو جاتی ہے، اس لئے اس کے استعمال کے لئے جبر و تشدد ناگزیر ہے، جس کا برا اثر محنت کی کارکردگی پر بھی پڑتا ہے، اور اس کی ذہنی صحت پر بھی، اس سے واضح ہو گیا، کہ اشتراکی نظام میں اسلامی نظریہ تقسیم دولت کے دو مقاصد مجروح ہوتے ہیں، ایک فطری نظم معیشت کا قیام، اور دوسرے حقدار کو حق پہنچانا۔

غرض اشتراکیت کے غیر فطری نظام کی ان چند در چند خرابیوں کی وجہ سے اسلام نے انفرادی ملکیت کو سرے سے ختم کر ڈالا پسند نہیں کیا، بلکہ کائنات کی جو اسفید و قف عام نہیں ہیں، ان میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کر کے اس نے سرمایہ دار زمین کی جداگانہ حیثیت بھی برقرار رکھی ہے، اور ان میں زبرد و طلب کے فطری نظام کو بھی مستحکم بنا کر استعمال کیا ہے، چنانچہ اس کے یہاں اشتراکیت کی طرح تقسیم دولت صرف اجرت کی شکل میں نہیں ہوتی، بلکہ منافع اور کرایہ کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی اس نے سود کی مدد کو ختم کر کے اور دولت کے ناوہی مستحقین کی ایک طویل فہرست بنا کر اربکناز دولت کی اس زبردست خرابی کو بھی ختم کر دیا ہے جو سرمایہ داری کا فائدہ لازمہ ہے۔ اور جسے دور کرنے کا دعوئے اشتراکیت کرتی ہے۔

سرمایہ داری اور اسلام

یہ تھا اسلامی نظریہ تقسیم دولت کا وہ بنیادی فرق جو اس اشتراکیت سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس فرق کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے جو سرمایہ داری اور اسلام کے نظام تقسیم دولت میں پایا جاتا ہے۔ یہ فرق چونکہ قدرے دقیق اور پیچیدہ ہے اس لئے اسے نسبتاً زیادہ تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت ہوگی۔

اوپر ہم نے اسلام اور سرمایہ داری کے نظام تقسیم دولت کے جو اجمالی خاکے پیش کئے ہیں۔ ان کا تقابل کرنے سے اسلام اور سرمایہ داری کے درمیان مندرجہ ذیل فرق واضح ہوتے ہیں :

(۱) عوامی پیداوار کی فہرست سے آج کو مستقل عامل ہونے کی حیثیت سے ختم کر دیا گیا ہے اور صرف تین عوامی پیداوار تسلیم کئے گئے ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ آج کے وجود سے انکار کیا گیا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ کوئی الگ عامل نہیں، بلکہ ان تین عوامی میں سے کسی نہ کسی میں شامل ہے۔

(۲) سرمایہ کا صلہ "سود" کے بجائے "منافع" قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ عوامی پیداوار کی تعریفیں بدل دی گئی ہیں، "سرمایہ" کی تعریف سرمایہ دارانہ معیشت

میں پیدا شدہ ذریعہ پیداوار "سے" کی جاتی ہے، لہذا نقد روپیہ اور اشیائے خوردنی کے علاوہ مشینری وغیرہ بھی اس میں داخل ہے، لیکن ہم نے اسلامی نظریہ تقسیم دولت کی توضیح کرتے ہوئے "سرمایہ" کی جو تعریف بیان کی ہے اس میں صرف وہ چیزیں شامل ہیں جنہیں خرچ کئے بغیر ان سے استفادہ ممکن نہیں

یا بالفاظ دیگر جنہیں کرایہ پر نہیں چلایا جاسکتا، مثلاً روپیہ لہذا مشینری اس تعریف کی رو سے سرمایہ میں داخل نہیں۔

(۴) اسی طرح ”زمین“ کی تعریف زیادہ عام کر دی گئی ہے، یعنی اس میں ان تمام چیزوں کو شامل کر لیا گیا ہے جن سے استفادہ کے لئے انہیں خرچ کرنا نہیں پڑتا، لہذا مشینری بھی اس میں داخل ہو گئی ہے۔

(۵) محنت کی تعریف میں بھی زیادہ غوم پیدا کر دیا گیا ہے، اور اس میں ذہنی محنت تنظیم اور منصوبہ بندی بھی شامل ہو گئی ہے۔

آج سرمایہ و محنت الگ نہیں

اسلام کے نظریہ تقسیم دولت کے مذکورہ بالا امتیازات میں سب سے بڑا اور بنیادی امتیاز یہ ہے کہ اس نے آجر اور سرمایہ کی تفریق ختم کر دی ہے، جس کے نتیجے میں تقسیم دولت کے تین مدد قرار پائے ہیں، منافع، اجرت اور کرایہ، چوتھے مدعی سود کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں ”آجر“ کی سب سے بڑی خصوصیت جس کی بنا پر اسے ”منافع“ کا مستحق قرار دیا گیا ہے، یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ کاروبار کے نفع و نقصان کا خطرہ برداشت کرتا ہے، گویا سرمایہ دارانہ نقطہ نظر سے ”منافع“ اس کی اس ہمت کا صلہ ہے کہ اس نے ایک ایسی کاروباری مہم کا آغاز کیا جس میں اگر نقصان ہو جائے تو وہ تنہا اسی پر پڑے گا، باقی تینوں عوامل سے پیداوار میں سے سرمایہ کو معین سود، زمین کو معین لگان اور محنت کو معین اجرت

ل جاتی ہے۔ اس لئے وہ نقصان سے بری ہیں۔

اسلام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ درحقیقت نقصان کا خطرہ مول لینے کی صفت خود سرمایہ میں موجود ہونی چاہئے۔ اس خطرے کا بار کسی اور پر نہیں ڈالا جاسکتا جو شخص کسی کاروبار میں اپنا سرمایہ لگانا چاہتا ہے، اسی کو یہ خطرہ مول لینا پڑے گا، اس لئے جو سرمایہ دار ہے، وہی خطرہ مول لینے کے لحاظ سے اجر بھی ہے، اور جو شخص اجر سے وہی سرمایہ دار بھی ہے۔

اب سرمایہ کے کسی کاروبار میں لگنے کی تین صورتیں ہیں:

(۱) - انفرادی کاروبار

سرمایہ لگانے والا بلا شرکتِ غیرے خود ہی کاروبار بھی چلائے اس صورت میں اس کو جو صلہ ملے گا وہ خواہ عرفی اور قانونی اعتبار سے صحت منافع کہلائے لیکن معاشی اصطلاح کے مطابق وہ صلہ دو چیزوں کا مجموعہ ہوگا، سرمایہ لگانے کی وجہ سے منافع کا، اور کاروبار چلانے کی محنت کے لحاظ سے اجرت کا۔

(۲) - شرکت

دوسری صورت یہ ہے کہ کئی آدمی مل کر سرمایہ لگائیں، کاروبار چلانے میں بھی سب شریک ہوں اور نفع و نقصان میں بھی اسے فقہی اصطلاح میں شرکتِ مقنود کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں بھی معاشی اصطلاح کے مطابق تمام شرکاء سرمایہ لگانے کی حیثیت سے منافع کے حقدار ہوں گے، اور کاروبار چلانے کی حیثیت سے اجرت کے۔

یہ صورت بھی اسلام نے جائز قرار دی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل تجارت کا یہ طریقہ رائج تھا، آپ نے لوگوں کو اس پر برکت دار رکھا، اور اس کے جواز پر اجماع منقطع ہو گیا۔

۳۔ مضاربہ

تیسری صورت یہ ہے، کہ ایک شخص سرمایہ لگائے، اور دوسرا کاروبار چلائے اور نفع میں دونوں شریک ہوں، اسے فقہی اصطلاح میں "مضاربہ" کہا جاتا ہے، اس صورت میں معاشی اصطلاح کے مطابق سرمایہ لگانے والے رب المال، کو اس کا حصہ نفع کی صورت میں ملے گا، اور کاروبار چلانے والے (مضارب) کو اجرت، کی صورت میں، ہاں اگر کاروبار میں نقصان ہو جائے تو جس طرح رب المال کا سرمایہ بیکار گیا، اسی طرح مضارب کی محنت بیکار رہی۔

یہ صورت بھی اسلام میں جائز ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے ساتھ نکاح سے قبل ہی معاملہ فرمایا تھا، اس کے بعد اس کے جوار بھی یہ فقہاء امت کا اجماع منقطع ہو چکا ہے۔

ان تینوں صورتوں کے سوا کاروبار میں سرمایہ کے شریک ہونے کی اسلام میں کوئی اور صورت نہیں ہے۔

سود کا کاروبار

تغییل سرمایہ کی چوتھی صورت جو غیر اسلامی معاشروں میں شروع سے

۱۔ ملاحظہ ہو المبسوط للشرعی ص ۱۵۱ ج ۱۱ مطبع السعادة مصر
۲۔ زبدتانی ص ۲۵؛ شرح المواہب ص ۱۹۸ ج ۱ اول الاضہر ص ۲۵
۳۔ المبسوط للشرعی ص ۲۲ ج ۱۸

راجہ چلی آتی ہے، سود کا کاروبار ہے، یعنی ایک شخص سرمایہ بطور مستحق دے، دوسرا محنت کرے، نقصان ہو تو محنت کا ہو، اور سرمایہ کا سود ہر صورت میں کھرا رہے، اس کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ فَرُطَابِقِي مِنَ التَّوْبَةِ إِنَّكُمْ
مُومِنِينَ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْزَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ
"لے ایمان والو! سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہو، اسے چھوڑ دو، اگر تم
مومن ہو، پس اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے
اعلان جنگ سن لو (۲: ۲۷۸)"

اس کے ساتھ ہی قرآن کریم نے یہ بھی ارشاد فرما دیا ہے کہ
فَإِنْ تَبَتُّمُ فَلكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلُمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ
پس اگر تم (سود سے) توبہ نہ کرو تو تمہیں تمہارے اصل اموال مل جائیں گے نہ
تم کسی پر ظلم کرو، نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔ (۲: ۲۷۸)"

ان دو آیتوں میں "ما بقی من التوبہ" اور "فلکم رؤوس اموالکم" کے الفاظ نے پوری وضاحت کے ساتھ یہ بات صاف کر دی ہے کہ سود کی ادنیٰ سے رکاب باقی رہنا بھی اللہ کو گوارا نہیں ہے، اور سود کو چھوڑنے کا مطلب یہ ہے
نا دینے والے کو صرف "رأس المال" واپس ملے، لہذا اس سے یہ معلوم ہو گیا
کہ اسلام کی نظر میں صفر کے سوا سود کی ہر شرح نامعقول ہے۔

جاہلیت میں بعض قبائل عرب دوسرے قبیلوں سے سود پر قرض لے کر کاروبار
کرتے تھے، اسلام نے ان تمام معاملات کو یکسر موقوف کر دیا، ابن جریرؒ فرماتے ہیں:

كانت بنو عمرو بن عمير بن عوف ياخذون الربا من
 بني المغيرة فكانت بنو المغيرة يربون لهم في
 الجاهلية فجاء الإسلام وولهم عليهم مال كثير،
 "جاہلیت میں بنو عمرو بن عمیر بن عوف سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ
 انہیں سود دیتے تھے، جب اسلام آیا تو ان کا ان پر بہت سارا مال واجب
 تھا۔" ————— اور :

كان بنو المغيرة يربون لشقيق له
 بنو مغيرة بن ثقيف كوسود ديا کرتے تھے

واضح رہے کہ قبائل عرب کی حیثیت مشترکہ کمپنیوں کی سی تھی جو افراد کے مشترکہ سرمایہ
 سے کاروبار کرتی تھیں، اس لئے ایک قبیلے کا اجتماعی طور پر قرض لینا عموماً کاروبار کے لئے
 ہوتا تھا، اور اس کو بھی قرآن کریم نے ممنوع قرار دیدیا۔

غرض اسلامی نظام معیشت میں جو شخص کسی کاروباری آدمی کو اپنا روپیہ
 کاروبار میں لگانے کے لئے دینا چاہتا ہے اسے پہلے یہ متعین کرنا پڑے گا کہ وہ یہ روپیہ
 کاروبار کے نفع میں خود حصہ دار ہونے کے لئے دے رہا ہے، یا وہ اس روپیہ سے
 اس کاروباری آدمی کی امداد کرنا چاہتا ہے، اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ روپیہ
 دے کر کاروبار کے نفع سے مستفید ہو تو اسے "شرکت" یا "مضاربت" کے طریقوں پر
 عمل کرنا پڑے گا، یعنی اسے کاروبار کے نفع و نقصان کی ذمہ داری بھی اٹھانی پڑیگی
 کاروبار کو نفع ہو تو وہ نفع میں شریک ہوگا، اور اگر کاروبار کو خسارہ ہو تو اسے

خسارے میں بھی حصہ دار ہونا پڑے گا۔

اور اگر وہ روپیہ دوسرے کی امداد کی غرض سے دے رہا ہے تو پھر ضروری ہے کہ وہ اس امداد کو امداد ہی سمجھے اور نفع کے ہر مطالبے سے دستبردار ہو جائے وہ صرف اتنے ہی روپے کی واپسی کا متقی ہوگا جتنے اس نے قرض دیئے تھے، اسلام کی نظر میں اس ناانصافی کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ وہ اپنے سود کی ایک شرح معین کر کے نقصان کا بوجھ مقرض پر ڈال دے۔

اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ اسلام میں ”نقصان کا خطرہ مول لینے“ کی ذمہ داری ”سرمایہ“ پر ہے، جو شخص کاروبار میں سرمایہ لگائے گا، اسے یہ خطرہ ضرور مول لینا پڑے گا، اگر کسی شخص نے قرض جن لے کر کاروبار میں سرمایہ لگایا ہے، اور دائن کے ساتھ شرکت یا مضاربت کا معاملہ نہیں کیا تو قرض لینے کے بعد مدیوں خود اس روپے کا مالک ہو گیا، اب وہ خود سرمایہ دار کی حیثیت سے روپیہ لگا رہا ہے، اس لئے نقصان کی ذمہ داری بھی اسی پر ہوگی

لہذا اگر ”آجر“ کی بنیادی خصوصیت یہ ہے جیسا کہ بیشتر ماہرین معاشیات کا خیال ہے، کہ وہ ”خطرہ مول لیتا ہے“، تو یہ خصوصیت اسلام کی نظر میں درحقیقت ”سرمایہ“ کی ہے، اس لئے اسلامی نظام معیشت میں سرمایہ اور اصطلاحی آجر ایک ہی چیز ہو جاتے ہیں، اور تقسیم دولت میں ان کا حصہ منافع ہے نہ کہ سود، اور اگر آجر کی بنیادی خصوصیت یہ سمجھی جائے کہ وہ تنظیم اور منصوبہ بندی کرتا ہے جیسا کہ بعض ماہرین معاشیات کا خیال ہے، تو پھر یہ کام ”محنت“ میں داخل ہے، اور اُسے قابل پیداوار سمجھنا طول لا طائل اور نامعقول ہے۔

کرایہ اور سود کا فسق

مذکورہ بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اسلام کی رُود سے منافع اور اجرت جائز ہے، اور سود ناجائز، اب چوتھی چیز "کرایہ" رہ جاتی ہے، اسلام نے اسے بھی جائز قرار دیا ہے، بعض حضرات کو یہاں یہ اشکال ہونے لگتا ہے کہ جب سرمایہ پر سود کا لین دین معین ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے تو زمین کا کرایہ دو منہج رہے کہ ہماری اصطلاح میں زمین کے اندر مشینری وغیرہ بھی داخل ہے، کیوں جائز ہے جبکہ وہ بھی معین ہوتا ہے؟

اس سوال کے جواب کے لئے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ معیشت کے مادی وسائل دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جنہیں استعمال کرنے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے انہیں خرچ کرنا نہیں پڑتا، بلکہ وہ اپنا وجود برقرار رکھتے ہوئے فائدہ دیتے ہیں، مثلاً زمین، مشینری، مسد، بچر، سواری وغیرہ کہ ان کے وجود کو باقی رکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ان سے مستفید ہونے کے لئے خرچ یا فاکرنا نہیں پڑتا، ایسی چیزیں چونکہ بذات خود قابل استفادہ ہوتی ہیں اور ان کے بہت سے فوائد ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے کرایہ لینے والے کو ذرہ برابر محنت نہیں کرنی پڑتی، دوسری طرف ان کے استعمال سے ان کی قدر گھٹتی ہے، اس لئے ان کے "منافع" کی اجرت کا لین دین بالکل معقول اور درست ہے، اور اسی "منافع کی اجرت" کو اسلام "کرایہ" کہتا ہے۔

اس کے برخلاف نقد روپیہ وہ چیز ہے جس سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے اسے خرچ یا فاکرنا پڑتا ہے اس سے کسی قسم کا فائدہ تک نہیں اٹھایا جاسکتا جب تک کہ اس سے کوئی چیز خریدی نہ جائے، لہذا روپیہ چونکہ بذات خود قابل

استفادہ نہیں ہوتا، اس لئے ایک طرف تو اس سے جس قسم کا فائدہ بھی مقروض اٹھانا چاہیے، اُسے خرچ کر کے خود کچھ عمل کرنا پڑتا ہے، دوسری طرف مقروض کے استعمال کی وجہ سے روپیہ کی قدر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، اس لئے اس پر کوئی "معین" شرح سود مقرر کرنے میں کوئی معقولیت نہیں ہے، روپیہ کے مالک کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو قرض نہ دے، یا چاہے تو اس کے ذریعہ روپے کے جائزہ مند کے ساتھ شرکت و مضاربت کا کاروبار کرے، لیکن اگر وہ قرض دیتا ہے تو اس پر "معین" شرح سے سود لینے کی اسلام اجازت نہیں دے سکتا۔

اسی بنا پر ہم نے یہ اصطلاح مقرر کی ہے کہ جو چیزیں بذات خود خرچ کئے بغیر قابل استفادہ نہیں ہوتیں وہ "سرمایہ" کہلائیں گی، اور جب وہ قابل پیداوار کی حیثیت سے کاروبار میں شریک ہوں گی تو "منافع" کی مستحق ہوں گی، اور جو چیزیں خرچ کئے بغیر قابل استفادہ ہوتی ہیں، وہ "زمین" کہلائیں گی، اور عمل پیدا نش میں حصہ دار ہونے کی وجہ سے انہیں "کرایہ" کی صورت میں دولت تقسیم کی جائے گی۔

حرمت سود کا اثر تقسیم دولت پر

مذکورہ بالا بحث سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ اسلام اور سرمایہ داری کے نظام تقسیم دولت میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ سرمایہ دارانہ معاشیات میں "سود" جائز ہے، اور اسلام میں ناجائز، اب مختصر اس پہلو پر نظر ڈالیں ابھی مناسب ہوگا کہ حرمت سود کے معاشی اثرات کیا ہیں؟

ہیں تو "سود" کی حرمت سے "پیدائش دولت" کے نظام پر بھی بڑے

گہرے، دور رس اور مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں، لیکن یہاں یہ بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے، اس لئے اس کے صرف ان اثرات کی طرف مجمل اشارے عرض کئے جاتے ہیں جو "تقسیم دولت" کے نظام پر مرتب ہوتے ہیں:

حرمت سود کا ایک سادہ اثر تو یہ ہے، کہ اس کی وجہ سے تقسیم دولت کے نظام میں توازن اور ہمواری پیدا ہو جاتی ہے، سودی نظام معاشیات کا خاتمہ لازم ہے کہ اس میں ایک فریق (سرمایہ) کا نفع تو معین صورت میں بہر حال کھرا رہتا ہے، لیکن اس کے مقابل دوسرے فریق (مخت) کا نفع مشتبہ اور مبہوم رہتا ہے، وسیع پیمانے کی تجارتیں خواہ کتنی ہی نفع بخش کیوں نہ ہو جائیں، لیکن انہیں بہر حال، خطرے سے خالی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ جہاں موجودہ وسائل معیشت کی فراوانی سے بڑے پیمانے کی تجارتوں کے خطرات کم ہوئے ہیں، وہاں کچھ خارجی عوامل کی بنا پر ان میں اضافہ بھی ہوا ہے، اور تجارت جتنے بڑے پیمانے کی ہوتی ہے، یہ خطرات بھی اتنے ہی وسیع ہو جاتے ہیں، اس لئے سرمایہ دارانہ معیشت میں تقسیم دولت کا توازن نہایت ناہموار ہو جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قرض لینے والے کو سخت نقصان اٹھانا پڑا، لیکن قرض دینے والے کی تجوری بھرتی ہی چلی گئی، اور کبھی اس کے برعکس یہ ہوتا ہے کہ آجر کو بے انتہا منافع ہوا، اور سرمایہ دینے والے کو اس میں سے بہت معمولی سا حصہ مل سکا۔

اس کے برخلاف اسلامی نظام میں چونکہ سود حرام ہے، اس لئے موجودہ دنیا میں عموماً شغل سرمایہ کی دو صورتیں ہوں گی، شرکت اور مضاربت اور یہ دونوں صورتیں تقسیم دولت کی اس غیر منصفانہ ناہمواری سے خالی ہیں، ان صورتوں میں نقصان ہوتا ہے، تو فریقین کو ہوتا ہے، اور نفع ہوتا ہے تو دونوں فریق متناسب طریقے سے اس

سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

”ارتکاز دولت جو سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بدترین خرابی ہے، اس طریقے کے بدولت اس کی بڑی حد تک موثر روک تھام ہو جاتی ہے، اور دولت کا ذخیرہ چند ہاتھوں میں سمٹنے کے بجائے معاشرے کے افراد میں اس طرح پھیلتا ہے کہ اس سے کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں ہو پاتا۔ وجہ یہ ہے، کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں ارتکاز دولت کی ایک بہت بڑی وجہ ”سود“ ہے، اسی وجہ سے مٹھی بھر سرمایہ دارانہ صرف یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانے پرتقاضا ہو جاتے ہیں، بلکہ وہ پورے بازار پر بھی پوری خود مختاری کے ساتھ حکمرانی کرتے ہیں، اس کے نتیجے میں ”رسد اشیاء“ اور ”قیمتوں“ کا نظام بھی قدرتی رہنے کے بجائے مصنوعی ہو جاتا ہے، اور معیشت و اخلاق سے لیکر ملکی سیاست تک زندگی کا کوئی گوشہ اس کے بڑے اثرات سے محفوظ نہیں رہتا۔

اسلام نے ”سود“ کو منوع قرار دے کر ان تمام خرابیوں کی بنیاد کو منہدم کر دیا ہے، اسلامی نظام میں ہر روپیہ لگانے والا کاروبار اور اس کی پالیسی میں شریک ہوتا ہے، نفع و نقصان کی ذمہ داریاں بھی اٹھاتا ہے، اور اس طرح اس کی کاروباری مرضی بے لگام نہیں ہونے پاتی۔

ایک شہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ کا ازالہ کر دینا مناسب ہو گا، ”سود“ کے نقصانات کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اس کی وجہ سے تقسیم دولت میں ناہمواری پیدا ہوتی ہے، اور فریقین میں سے کوئی نہ کوئی اس سے متاثر ہوتا ہے، اس پر بعض حضرات کے دل

میں یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ سودی کاروبار میں جس شخص کو بھی نقصان پہنچتا ہے وہ اس کی مرنی سے پہنچتا ہے، اور جب وہ خود یہ خطرہ مول لینے پر راضی ہے تو اس میں قانون شریعت کیوں دخل انداز ہوتا ہے؟ حالانکہ ذرا سا غور کیا جائے تو اس کا جواب سمجھنا کوئی مشکل نہیں، اسلامی نظام زندگی کا معمولی سا مطالعہ بھی یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ اسلام میں فریقین کی باہمی رضامندی ہمیشہ کسی معاملے کی وجہ جواز نہیں ہوتی، اگر کوئی شخص دوسرے کے ہاتھوں قتل ہو جائے پر راضی ہو تو یہ بات قاتل کو بری نہیں کر سکتی یہاں تک کہ زنا جیسے مغربی تہذیب کی تنگ نظری نے ظالمی زندگی کا سلسلہ سمجھا ہوا ہے اس میں بھی فریقین کی رضامندی غبروں کو بری نہیں کر سکتی، دولت کی تقسیم اور معاشی نظام کی بہبود کا معاملہ تو اس سے کچھ آگے ہی ہے! شریعت میں قرآن کریم کے حوالوں سے عرض کیا جا چکا ہے کہ دولت اصلاً اللہ کی ملکیت ہے، اور اس نے انسان کو جو ملکیت عطا کر دی ہے، وہ اذلو اور بے لگام ہونے کی بجائے اصولوں کی پابند ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ معاملہ جو اسلام کی نظر میں فی نفسہ غیر منصفانہ ہے اور اکس کا اثر معاشرے کی اجتماعی بہتری پر پڑ سکتا ہے اس میں سلام نے فریقین کی رضامندی کو وجہ جواز قرار نہیں دیا، سود، قمار، رشوت اور بے حیائی کے سب کام اگرچہ فریقین کی پوری رضامندی سے ہوں شریعت اسلام نے ان سب کو اسی لئے حرام قرار دیا ہے کہ ان کا فساد لوہے انسان فی معاشرے کو متاثر کرتا ہے جس کا حق کسی فرد یا افراد کو نہیں دیا جاسکتا۔

احادیث میں فریقین کی رضامندی کے باوجود جو "تلفی الجلبی"۔

لے قدیم رسم تھی کہ سرمایہ دار لوگ دیہات کے غلام کو بازار میں آنے سے پہلے دیہات میں پہنچ کر خرید لیتے اور ذبیحہ کر کے جنت میں منافی زیادتی کرتے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منع فرمایا اس کا نام "تلفی الجلبی" ہے ۱۲

”بیع الخاضع لربا“، ”مخالفتہ“، مزایہ اور ”مخابرہ“ وغیرہ کی شدید ممانعت آئی ہے، اس کے پیچھے یہ حکمت کار فرما ہے ”اسلئے“ سود“ کے معاملے کو بھی محض اس بنا پر جائز قرار نہیں دیا جاسکتا کہ فریقین اس پر رضا مند ہیں،

جاہلیت کے لوگ حرمت سود پر اسی قسم کا اعتراض کیا کرتے تھے کہ:-

انما البیع مثل التَّبَوٰۤا (۲: ۲۵۵)

”بیع ربا وہی کی طرح تو ہے“

مگر قرآن کریم نے مختصر لفظوں میں اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ:

واحلّ الله البیع وحرم التَّبَوٰۤا (۲: ۲۵۵)

”اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور ربا کو حرام“

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراض کے جواب میں ”حرمت سود“ کی کوئی حکمت اور مصلحت نہیں بیان فرمائی، بلکہ صرف یہ فرمایا ہے جب اللہ نے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کر دیا ہے تو خواہ مصلحت تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اس حکم کو ماننا پڑے گا، یہاں مگر قرآن کریم نے حکمتوں کو بیان فرمانے کے بجائے حاکمانہ اسلوب اختیار فرمایا ہے جس سے حرمت سود پر ہر قسم کے اعتراض کی جو حرکت جاتی ہے خلاصہ یہ ہے کہ ”سود کی حرمت“ اسلام کا چھکیا نہ فیصلہ ہے جس کی وجہ سے سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بہت سی خرابیاں بھی دور ہو جاتی ہیں، اور اس کے بعد

لے آرٹ کا کام کرنے والے دیہات کا غلہ اپنے پاس ذخیرہ کر کے گراں قیمت پر فروخت کریں، اسی کے اندر لوگ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر والوں کو گاؤں والوں کا دلال بننے سے منع فرمادیا ۱۲ منہ یہ عینوں قیامیں بیع فاسد کی ہیں جن میں ایک فرقہ کو نقصان کا خطرہ رہتا ہے اس کو بھی باوجود رضامندی فریقین منع کر دیا گیا ۱۲ منہ

اشتراکیت کے مستبد اور غیر فطری نظام معیشت کو اختیار کرنے کی بھی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی رہی وہ اعتدال کی راہ ہے جو موجودہ دنیا کو افراط و تفریط سے نجات دلا کر ایک متوازن اور منصفانہ نظام معیشت کی طرف رہنمائی کر سکتی ہے، فرانسیسی پروفیسر لوی مائین فین نے بڑی سچی بات کہی ہے کہ:

”سرمایہ داری اور اشتراکیت کے تصادم میں اسی تمدن اور تہذیب کا مستقبل محفوظ اور درخشاں ہے گا جو سود کو ناجائز قرار دے کر اس پر عمل بھی کر رہا ہو۔“

اجرتوں کا مسئلہ

یہاں تک تقسیم دولت کے معاملے میں اسلام اور سرمایہ داری کا ایک بنیادی فرق واضح ہو رہا ہے، اور وہ ہے مسئلہ سود! اس کے بعد ان دونوں کے درمیان ایک اور فرق کو ذہن میں رکھنا بھی ضروری ہے، جو آجرا اور اجیر کے رشتے سے متعلق ہے، اور جس میں اجرتوں کا مسئلہ زیر بحث آتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف موجودہ دنیا میں جو شدید رد عمل ہو رہا ہے، اس کی بہت بڑی وجہ آجرا اور اجیر کے جھگڑے اور اجرتوں کی تعیین کے مسائل تھے، سرمایہ دارانہ نظام معیشت کی بنیاد ہی چونکہ خود غرض اور بے لگام انفرادی ملکیت پر ہے، اس لئے اس نظام میں آجرا اور اجیر کے درمیان ”رسد و طلب“ کا ایک ایسا خشک، کھردرا اور رسمی تعلق ہے، جس کی بنیاد خالص خود غرضی پر استوار ہوتی ہے، آجرا صرف اس حد تک اجیر کی انسانیت

۱۔ ڈاکٹر یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریے ص ۲۸ ج ۲، کوالہ ڈاکٹر حیدر: انجمن برائے قرضہ محمد کی اہمیت، جلد طبع نہیں عثمانیہ ج، حصہ معاشیات ج ۲ ص ۱۹۳

کا احترام کرتا ہے، جب تک وہ اپنے کاروبار کیلئے اس کے ہاتھوں مجبور ہے، لہذا جہاں یہ مجبوری ختم ہو جاتی ہے، وہاں وہ اس پر اپنے ظلم کا شکوہ کر سکتا ہے، دوسری طرف اجیر مرث اس وقت تک آجر کے کام اور اس کے احکام سے دلچسپی رکھتا ہے، جب تک اس کا روزگار کسی آجر پر موقوف ہو، لہذا جہاں اس کی یہ مجبوری ختم ہو جاتی ہے، وہاں وہ کام چوری اور ہڑتال سے نہیں چوکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مزدور اور سرمایہ دار میں ایک ایسی کشمکش قائم رہتی ہے، اور دونوں کے درمیان کوئی صحت مند رابطہ قائم نہیں ہو پاتا۔

اس کے برخلاف اسلام نے اگرچہ آجر اور اجیر کے درمیان رسد اور طلب کے نظام کو ایک حد تک تسلیم کیا ہے، لیکن ساتھ ہی محنت کی رسد اور طلب دونوں پر کچھ ایسی پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ ان کا باہمی رابطہ ایک خشک رسمی تعلق نہیں رہا بلکہ بڑی حد تک حیاتی چارہ بن گیا ہے، آجر کا نقطہ نظر اجیر کے بارے میں کیا ہونا چاہئے؟ اس کو قرآن کریم نے حضرت شعیبؑ کا ایک مقولہ نقل فرماتے ہوئے مختصر لفظوں میں واضح فرما دیا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے "آجر" تھے، اور انھوں نے فرمایا:

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْسُقَ عَلَيْكَ سِجْدًا فِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ

میں تم پر (غیر ضروری) مشقت ڈالنا نہیں چاہتا، خدا نے چاہا تو تم مجھے

نیکو کا پادے گے۔ (۲۸: ۲۷)

اس آیت نے واضح فرما دیا کہ ایک مسلمان آجر جس کی اصل منزل مقصود "صالح" ہوتا ہے، اس وقت تک "صالح" نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے اجیر کو غیر ضروری مشقت سے بچانے کا داعیہ نہ رکھتا ہو۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو مزید واضح الفاظ میں اس طرح کھول دیا ہے کہ:

اِنَّ اِنْعَامَكُمْ خَوْلَكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ اَعْوٰى
تَحْتَ يَدَيْهِ فَلْيُطِعْهُمَا يَٰۤاَكُلْ وَلْيَلْبَسْهُمَا يَلْبَسْ، وَلَا يَكْلِفُوهُمْ
مَا يَغْلِبُهُمْ، فَاِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ فَاِنَّ عَيْنُوهُمْ سَمِعَتْ
”تہارے بھائی تمہارے خادم ہیں جنہیں اللہ نے تمہارے زیر دست کیا ہے
لہذا جس شخص کا بھائی اس کے ماتحت ہو اسے چاہئے کہ وہ جو خود کھائے
اسی میں سے اس کو بھی کھلائے، اور جو خود پہنے اسی میں سے اس کو بھی
پہنائے، اور ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت سے زیادہ
ہو، اور اگر کسی ایسے کام کا بوجھ ڈالو تو خود ان کی مدد کرو۔“

نیز ارشاد فرمایا کہ :

اَعْطُوا الْاَجِيرَ اَجْرَهُ قَبْلَ اَنْ يَّجِفَ عَرَقُهُ ۚ
مزدور کی اجرت اس کا پیہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔“
اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کا یں قیامت کے دن دشمن ہونگا
ان میں سے ایک وہ ہے کہ :

يَجُلُّ اسْتَاجِرًا جِرًا فَاَسْتَوْفِيَ مِنْهُ وَلَمْ يُعْطَ اجْرُهُ ۚ
”وہ شخص جو کسی مزدور کو اجرت پر لے، پھر اس سے کام پورا لے لے، اور اس
کو اس کی اجرت نہ دے۔“

۱۔ صحیح بخاری کتاب العقیقہ ص ۳۴۶ ج ۱
۲۔ ابن ماجہ ۲۰ دہرانی ۲۷ من ابن عمر ۲۷ مجمع الفوائد ص ۲۵۹ جلد اول میرٹھ ۱۳۴۵ھ
۳۔ صحیح بخاری کتاب الاجارۃ بروایت ابو ہریرہ ۲۰ ص ۳۰۲ جلد اول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزدوروں کے حقوق کا کس قدر احساس تھا؟ اس کا اندازہ
حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ وفات سے قبل آپ کے
آخری الفاظ یہ تھے :

الصَّلَاةُ وَالْمَالُكَتِ اِيْمَانُكُمْ لِي

”نماز کا خیال رکھو، اور ان لوگوں (کے حقوق) کا جو تمہارے زیر دست ہیں“

ان ہدایات کے نتیجے میں ”مزدور“ کو اسلامی معاشرے میں جو باوقار اور برادرات
مقام حاصل ہوا، اس کی بیشمار مثالیں قرونِ اولیٰ کی اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں۔ اور
پورے دُشوق اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ”مزدور“ کے حقوق کی رعایت اس
سے بہتر طریقہ پر ممکن ہی نہیں ہے۔

دوسری طرف اسلام نے ”اجیر“ کو بھی کچھ احکام کا پابند بنا کر آجر سے اس کے
تعلقات کو مزید خوشگوار کر دیا ہے، مزدور آجر کے جس کام کی ذمہ داری اٹھاتا ہے
اسلامی نقطہ نظر سے وہ ایک ایسا معاہدہ کرتا ہے جس کی پابندی اسے صرف اپنا پیٹ
بھرنے کے لئے نہیں کرنی ہے، بلکہ اس کی اہل منزل مقصود یعنی آخرت کی بہتری بھی اسی
پر موقوف ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (۱۱:۵)

”اے ایمان والو! تم اپنے معاہدوں کو پورا کرو۔“

اور ان حید من استاجرت القوم الامین (۲۶:۲۸)

”بہترین اجیر وہ ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی۔“

نیز ارشاد ہے :

وَلِلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوفُونَ وَإِذَا

كَالُوهُمْ أُوْزَوْوَهُمْ يَخْسِرُونَ - (۱۱:۸۳)

”دروناک غلب ہے ان ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے جو اپنا حق لینے کے وقت پورا پورا وصول کریں، اور جب انہیں ناپ یا تول کر دینے کا موقع آئے تو کمی کر جائیں“

فقہا امت کی تصریحات کے مطابق اس آیت میں ”تطفیف“ یا ناپ تول میں کمی کرنے والے کے مفہوم میں وہ مزدور بھی داخل ہے جو طے شدہ اجرت پوری وصول کرنے کے باوجود کام چوری کا مرتکب ہو، اور اپنے جو اوقات اس نے آجر کو بیچ دیئے ہیں، انہیں آجر کی مرضی کے خلاف کسی اور کام میں صرف کرے۔ اس لئے ان احکام نے کام چور کا کو گناہ عظیم قرار دے کر اجیر کو بھی یہ جتلا دیا ہے کہ جس آجر کا کام کرنا اس نے قبول کیا ہے، اس کی ذمہ داری اٹھالینے کے بعد اب وہ خود اس کا اپنا کام بن گیا ہے، اور اس کے ذمہ مزدوری ہے کہ وہ پوری دیانت داری، مستعدی اور لگن کے ساتھ اسے انجام دے، ورنہ وہ آخرت کی اس بہتری کو حاصل نہ کر سکے گا جو اس کا اصل مہتائے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسلام نے اجرتوں کے مسئلے میں رسد و طلب کے نظام کو ایک حد تک تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ آجر اور اجیر دونوں کے لئے کچھ ایسے احکام دیدیئے ہیں، کہ ان کی وجہ سے رسد و طلب کا یہ نظام خود غرضی کے بجائے اخوت و ہمدردی پر مبنی ہو گیا ہے۔ جو سکتا ہے یہاں کسی صاحب کو یہ شبہ پیدا ہو کہ آجر اور اجیر دونوں پر پابندیاں عائد کرنے کیلئے قرآن و سنت نے جو احکام دیئے ہیں، ان کی حیثیت اخلاقی ہدایات کی سی ہے جو شیشہ

معاشی اور قانونی نقطہ نظر سے خارج از بحث ہیں۔ لیکن یہ اعتراض اسلام کے مزاج کو سمجھنے کا نتیجہ ہوگا، یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ اسلام محض ایک معاشی نظام ہی نہیں ہے، بلکہ وہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے جس میں زندگی کے تمام شعبے باہم مربوطہ کر ساتھ ساتھ چلتے ہیں، ان میں سے کسی ایک شعبے کو دوسرے تمام شعبوں سے کات کر سمجھنے کی کوشش لازماً غلط فہمیاں پیدا کرے گی، اس کے ہر شعبے کا صحیح روکار کسی وقت سامنے آسکتا ہے، جب اس کے مجموعی نظام زندگی میں فٹ کر کے دیکھا جائے، اس لئے اسلامی معاشیات کی بحث میں ان اخلاقی ہدایات کو خارج از بحث قرار نہیں دیا جاسکتا۔

پھر اسلام کا ایک امتیازیہ ہے کہ اگر ذرا وسیع نظر سے دیکھا جائے تو اس کی اخلاقی ہدایات بھی درحقیقت قانونی احکام ہیں، اس لئے کہ ان پر بالآخر آخرت کی جزا و سزا مرتب ہوتی ہے جس کو ایک مسلمان کی زندگی میں بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ عقیدہ آخرت ہی وہ چیز ہے جس نے نہ صرف یہ کہ اخلاق کو قانون کا درجہ عطا کیا ہے، بلکہ اصطلاحی قوانین کی پشت پناہی بھی کی ہے۔ قرآن کریم کے اسلوب پر اگر آپ غور فرمائیں تو نظر آئے گا کہ اس کے ہر قانونی اور اخلاقی حکم کے ساتھ ”خوف خدا“ اور ”فکر آخرت“ کے مضامین لگے ہوئے ہیں، اس میں اہل راز یہی ہے کہ درحقیقت قانون کی پابندی محض انسانی ذہن کے زور سے کبھی نہیں کرائی جاسکتی، تاوقتیکہ انسان کی ہر نقل و حرکت اور ہر کردار پر پورے دینے کے لئے ”فکر آخرت“ موجود نہ ہو، یوں تو دنیا کی ہزار ہا سادہ طویل تاریخ جو پوری قانونی جکڑ بندیوں کے باوجود مظالم اور جرائم کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے، اس ناقابل انکار حقیقت کی تصدیق کرتی ہے، لیکن خاص طور سے آج کی مہذب دنیا نے تو اسے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا ہے کہ جس رفتار سے

جب قانونی مشینوں میں اضافہ ہوا ہے، اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے جرائم بڑھ رہے ہیں۔

اس لئے یہ سمجھنا کہ "اجیر" اور "آجر" کے تعلقات محض قانونی مجکڑ بندیوں سے درست ہو سکیں گے، انتہا درجے کی خود فریبی کے سوا کچھ نہیں، اس کا اصلی علاج صرف اور صرف "فکر آخرت" ہے، اور اسلام نے اس معاملے میں اسی بہر زیادہ زور دیا ہے۔

آج کا ذہن جو محض دنیوی زندگی کے الٹ پھیر میں الجھکھک "مادے" کے اس پار جانکنے کی صلاحیت کھو چکا ہے، اس کے لئے شاید اس بات کو سمجھنا مشکل ہو، لیکن یقین ہے کہ اگر امن و سکون انسانیت کے لئے مقدر ہے تو وہ سینکڑوں ٹھوکریں کھا کر بالآخر اس حقیقت تک پہنچے گی جس کی طرف قرآن کریم نے بار بار توجہ دلائی ہے جس زمانے میں اسلام ایک علمی نظام کی حیثیت سے اس دنیا میں کار فرما تھا، اس وقت دنیا اس قرآنی نظریے کی صداقت کو خوب اچھی طرح دیکھ چکی ہے، اس دور کے تاریخ میں "آجر" اور "اجیر" کے جھگڑوں اور ہڑتالوں کی کیفیت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی جس نے کچھ عرصے سے پوری دنیا کو تہ و بالا کیا ہوا ہے، قرآن و سنت کی یہی وہ اخلاقی ہدایات تھیں جنہوں نے اس منہ کا اطمینان بخش صل پیش کر کے دکھایا، اور جن کی وجہ سے اسلام کے قرونِ اولیٰ کی تاریخ آجر کے جبر و تشدد اور اجیر کی ہڑتالوں سے تقریباً خالی نظر آتی ہے۔

تقسیم دولت کے ثانوی مددات

اب تک ہماری بحث تقسیم دولت کے اولین حقداروں سے متعلق تھی، اسلامی نظریہ تقسیم دولت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے معاشرہ کے کمزور عناصر کو قوی کرنے اور بیکار افراد کو قابل کار بنانے کے لئے عظیم پیداوار کے ساتھ دولت کے ثانوی مستحقین کی ایک طویل فہرست دی ہے، اور اس کا ایک باقاعدہ نظام بنایا ہے۔

مقالے کی تمہید میں اس بات کی طرف جامع اشارے کئے جا چکے ہیں کہ دولت اصلاً اللہ کی ملکیت ہے، وہی اس کا پیدا کرنے والا ہے، اور اسی نے انسان کو اس پر ملکیت کے حقوق عطا کئے ہیں، انسان کو اس کے کسب و عمل کا جو بھی صلہ دیا ہے، وہ اس کا مالک ضرور ہے، لیکن چونکہ کسب و عمل کی تمام تر تخلیق پھر توفیق اللہ ہی دیتا ہے، اور دولت کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے، اس لئے انسان اپنی ملکیت کے استعمال میں قطعی طور پر خود مختار نہیں ہے، بلکہ اللہ کے احکام کا پابند ہے، لہذا جس جگہ خرچ کرنے کا وہ حکم دے دے، انسان کے لئے وہاں خرچ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اسی بنیادی نظریے سے عمل پیدائش کے علاوہ "استحقاق دولت" کا ایک دوسرا مدخود بخود نکل آتا ہے، یعنی ہر وہ شخص اسلامی نقطہ نظر سے دولت کا مستحق ہے۔

جس تک دولت کا پہنچانا اللہ نے دولت کے اولین مالکوں کے ذمے فرض قرار دیا ہے اس طرح تقسیم دولت کے ثانوی مددات کی ایک طویل فہرست مرتب ہو جاتی ہے جن میں سے ہر ایک دولت کا مستحق ہے۔

ان مددات کو مقرر کر کے اسلام درحقیقت یہ چاہتا ہے کہ دولت کو معاشرے میں زیادہ سے زیادہ گردش دی جائے، اور اسکا زبردولت پر جو پابندیاں "سود" کی حقارت کے ذریعہ عائد کی گئی ہیں، انھیں مزید توسیع دی جائے۔ ان مددات کا تفصیلی بیان تو اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں ہے، تاہم انھیں اختصار کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے:

۱۔ زکوٰۃ

ان میں سب سے پہلا اور سب سے زیادہ وسیع مدد زکوٰۃ ہے، قرآن کریم نے بیشمار مقامات پر اس فریضے کو "نماز" کے ساتھ ذکر کیا ہے، ہر وہ شخص جو سونے چاندی، مویشی اور مال تجارت کا مقدار نصاب کی حد تک مالک ہو، اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ سال گزرنے پر اپنی ان ملوکات کا ایک حصہ دوسرے ضرورت مند انسانوں پر صرف کرے، اور جو شخص اس فریضے کو ادا نہ کرے، اس کے لئے قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ:

الَّذِينَ يَكْنُزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَبَشِّرْهُمْ عَذَابَ الْيَمِّ، يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا
جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَأُخْرَاهُمْ هَٰذَا مَا كُنْتُمْ لَأَنفُسِكُمْ تَفْقَدُونَ
مَا كُنْتُمْ تَكْنُزُونَ . (۳۵: ۹۱ و ۳۶)

"جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، ان کو آپ دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے، جس دن اس (دولت) کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیوں

اور پلوڑوں کو دانا جانے گا، یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا،
چکھو جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔

پھر اس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قرآن کریم نے آٹھ مصارف خود مقبرہ
منہ را دیئے ہیں:

اس طرح "زکوٰۃ" کے اس ایک مد کے لئے آٹھ مصارف مقرر فرما کر قرآن کریم نے
دولت کی زیادہ سے زیادہ گردش کا دروازہ کھول دیا ہے

زکوٰۃ کے مصارف میں وجہ استحقاق کی قدر مشترک "ناداری" اور "افلاس" ہے
اور اس میں افلاس ہی کے خاتمے پر زور دیا گیا ہے، اس طریقے سے نادار اور مفلس
افراد کے درمیان کس وسیع پیمانے پر تقسیم دولت ممکن ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا
جاسکتا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں پاکستان کی قومی آمدنی تقریباً پندرہ ارب تیس کروڑ روپیہ تھی زکوٰۃ کی ادائیگریں
شرح یعنی ۲.۵ فیصد کے حساب سے اگر قومی آمدنی کی پوری زکوٰۃ نکالی جائے تو کم از کم ارب تیس کروڑ
پچیس لاکھ روپیہ سالانہ صرف غریبوں میں تقسیم ہوتا ہے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر تمام مایوس پیداوار
ہو مال باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ نکالیں تو سالانہ کتنی خاطر رقم سرمایہ داروں کی جیب سے نکل کر غریبوں
اور ناداروں کے پاس پہنچتی ہے، اور اس طرح تقسیم دولت کی ناہمواری کتنی تیزی سے رفع ہو سکتی ہے؟

۲۔ عشر

"عشر" درحقیقت زمین پر پیداوار کی "زکوٰۃ" ہے، لیکن چونکہ اس پیداوار
میں انسانی محنت کا دخل نسبتاً کم ہوتا ہے، اس لئے اس کی شرح ۲.۵ فیصد
کے بجائے ۱۰ فیصد رکھی گئی ہے، عشر صرف ان زمینوں کی پیداوار پر واجب
ہوتا ہے جو فقیہ تفصیلات کے مطابق عشری ہوں، اور اس کو زکوٰۃ ہی کے مصارف

پر حشر کیا جاتا ہے۔

۳۔ کفارات

معاشرہ کے کمزور افراد کو دولت پہنچانے کا ایک مستقل راستہ اسلام نے کفارات کے ذریعہ مقرر کیا ہے، کوئی شخص بلا عذر رمضان کا روزہ توڑ دے، یا کسی مسلمان کو بلا عمد قتل کر دے، یا اپنی بیوی سے ظہار کر لے، یا قسم کھا اسے توڑ دے تو بعض صورتوں میں لازمی اور بعض صورتوں میں اختیاری طور پر اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کا حصہ ناداروں پر خرچ کرے، یہ نقد روپیہ کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور کھانے پینے کی صورت میں بھی۔

۴۔ صدقۃ الفطر

اس کے علاوہ جو لوگ صاحب نصاب ہوں ان کے لئے عید الفطر کے موقع پر لازم کیا گیا ہے کہ نماز عید کو جانے سے پہلے فی کس پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت مفلسوں، ناداروں، یتیموں اور میواؤں پر حشر کر دیں، رقم نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی نکالی جاتی ہے، اور اس کے لئے معتد بہ نصاب کا نامی ہو یا اس پر پورا سال گزرنا بھی ضروری نہیں ہے، لہذا اس فریضے کا دائرہ ”زکوٰۃ“ سے بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، اور اس کے ذریعہ خاص طور سے ایک اجتماعی مسرت کے موقع پر زیادہ سے زیادہ مساوات پیدا کی جاسکتی ہے۔

مذکورہ بالا چار مدتیں غریبوں اور مفلسوں میں دولت تقسیم کرنے کے لئے تھے، اس کے علاوہ دو مدتیں ہیں، جن سے اعزہ و اشراف کی امداد اور ان تک

دولت کا پہنچانا مقصود ہے، ان میں سے ایک مد نفقات کی ہے، اور دوسری وراثت کی

۵۔ نفقات

اسلام نے ہر انسان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے، کہ وہ اپنے خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت کرے، پھر ان میں سے بعض تو وہ ہیں، جن کی کفالت ہر صورت واجب ہے، خواہ ان انسان تنگ دست ہو یا خوشحال مثلاً بیوی، اولاد اور بعض وہ ہیں جن کی کفالت کی ذمہ داری وسعت کے ساتھ مشروط ہے، ایسے رشتہ داروں کی ایک طویل فہرست اسلامی فقہ میں موجود ہے، اور اس کے ذریعہ خاندان کے پانچ، کمزور افراد کی معاشی کفالت کا بڑا اچھا نظام بنایا گیا ہے۔

۶۔ وراثت

اسلام کا نظام وراثت، اس کے نظریہ تقسیم دولت میں ایک بنیادی امتیاز رکھتا ہے، وراثت کی مرکز تقسیم سے تقسیم دولت میں جو ناہمواری پیدا ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں، مغربی مالک میں اس ناہمواری کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہی ہے جس کا اقرار بہت سے ماہرین معاشیات نے کیا ہے۔

یورپ میں بالعموم اکبر الاولاد کی جانشینی کا طریقہ رائج ہے۔ جس میں سارا ترک بڑے لڑکے کو مل جاتا ہے، باقی سب محروم ہو جاتے ہیں، پھر بعض مقامات پر اگر مرنے والا چاہے، تو کسی دوسرے شخص کے نام اپنے سارے ترکہ کی وصیت کر سکتا ہے، اور اس سلسلہ میں اسے مذکور اولاد کو بھی محروم کرنے کا حق ہے۔ اس طریقے

کے نتیجہ میں دولت پھیلنے کے بجائے سمٹتی ہے، اس کے برعکس ہندو مذہب میں تقسیم وراثت کو مردوں میں تو اشتراکی حد تک سادی کر دیا گیا ہے۔ لیکن عورتیں بہر حال وراثت سے محروم رکھی گئی ہیں جس سے ان پر ظلم ہونے کے علاوہ گردش دولت کا دائرہ اسلام کی نسبت سمٹ جاتا ہے۔

اس کے برخلاف اسلام نے تقسیم وراثت کا جو نظام بنایا ہے اس میں ان تمام خرابیوں کا انسداد ہو جاتا ہے، اس نظام کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱)۔ قربت کے لحاظ سے وارثوں کی ایک طویل فہرست رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے متروکہ دولت زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ دولت کے وسیع پھیلاؤ کے پیش نظر یہ حکم دیا جاسکتا تھا کہ سارا ترکہ غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے یا بیت المال میں داخل کر دیا جائے، لیکن اس صورت میں ہر مرنے والا کوشش کرتا کہ وہ اپنی زندگی ہی میں سارا مال ختم کر جائے، اور اس سے معیشت کے نظام میں ابستہی پیدا ہو جاتی، اس لئے اسلام نے لے سے یت کے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کا نظام بنایا ہے جو مالک سرمایہ کی فطری خواہش ہے۔

(۲)۔ دنیا کے تمام نظام ہائے وراثت کے برخلاف عورتوں کو بھی میراث کا مستحق قرار دیا گیا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے:

لِّلرَّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ

نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ

او کثر نصیباً ممن وراثنا (۶:۵)

مردوں کے لئے (بھی) ایک حصہ ہے اس مال میں جو والدین اور اقربا، چھوڑ کر جائیں، اور عورتوں کے لئے بھی ایک حصہ ہے اس مال میں جو والدین اور اقارب چھوڑ کر جائیں، تموڑے میں سے بھی اور زیادہ میں سے بھی ایک معین حصہ ہے۔

(۳۰)۔ مرنے والے کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی وارث کو محروم کر دے یا کسی کے حصہ میں ترمیم کر سکے، اس طرح وراثت کے راستے سے اس کا ز دولت کا امکان ختم کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

”اَبَاؤُكُمْ وَاِبْنَاؤُكُمْ لَا تَحْدُوْنَ اَيْتَهُم اَقْرَبُ لَكُمْ
نَفْعًا، فَرِيضَةٌ مِّنْ اللّٰهِ (۱۰: ۲۶)“

”تہارے باپ بیٹوں میں کون نفع کے اعتبار سے تم سے قریب تر ہے؟“

تم نہیں جانتے! یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔“

(۳۱)۔ چھوٹی اور بڑی اولاد میں کوئی تفریق نہیں کی گئی، بلکہ سب کو برابر حصہ دیا گیا ہے۔

۱۵۔ کسی وارث کے لئے اس کے حصہ رسدی کے علاوہ کسی مال کی وصیت کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے، اس طرح کوئی وارث متوفی کے مال سے اپنے وراثت کے سوا کچھ نہیں پاسکتا۔

(۲۶)۔ متوفی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وارثوں کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے وصیت کر جائیں، اس سے بھی دولت کے پھیلاؤ میں مدد ملتی ہے، اور تقسیم وراثت سے قبل دولت کا ایک حصہ وصیت پر صرف ہو جاتا ہے۔

(۷)۔ لیکن وصیت کرنے والے کو اس بات کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ پورے مال کی وصیت کر جائے، بلکہ اسے اپنے مال کے صرف ایک تہائی حصہ میں ایسا کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس سے زیادہ کی وصیت کا وہ مجاز نہیں، اس طرح ازبکستان دولت کے اس خطرے کا سدباب بھی کر دیا گیا ہے جو پورے مال کی وصیت کی اجازت کی صورت میں پیدا ہو سکتا تھا۔ اور استنباء کے حقوق کو بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔

۷۔۸۔ خراج و جزیہ

مذکورہ بالامذات کے علاوہ دو مدیں ایسی ہیں جن میں مالکان دولت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت کا کچھ حصہ حکومت وقت کو ادا کریں، ایک خراج اور دوسرا جزیہ۔

خراج ایک قسم کا زمینی لگان ہے جو صرف ان زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے جو فقہی تفصیلات کے مطابق خراجی ہوں، اور اس کو حکومت اجتماعی کاموں میں صرف کر سکتی ہے، اور جزیہ ایک تو ان غیر مسلم افراد سے وصول کیا جاتا ہے جو اسلامی حکومت کے باشندے ہوں، اور حکومت ان کے جان مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا ہو دوسرے ان غیر مسلم مالک سے بھی جزیہ وصول کیا جاسکتا ہے جن سے جزیہ کی ادائیگی پر صلح ہوئی ہو۔ یہ رقم بھی حکومت کے اجتماعی مقاصد میں صرف ہوتی ہے۔

ادھر تقسیم دولت کے جو نالوزی مذاات بیان کئے گئے ہیں، یہ سب وہ ہیں جن میں دولت صرف کرنا دولت کے اولین مالکوں کے ذمہ شخصی طور پر واجب قرار

دیا گیا ہے، غریب و مساکین پر اور مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں خرچ کرنے کی جو ترغیبات قرآن و سنت میں وارد ہوئی ہیں، وہ ان کے علاوہ ہیں، وستران کریم کا ارشاد ہے :

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ (۲: ۲۱۹)

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، آپ فرمادیجئے کہ جو بچ رہے۔

اس ارشاد نے واضح فرمادیا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ انسان صرف مقدار واجب خرچ کرنے پر اکتفا نہ کرے، بلکہ جس قدر دولت اس کی ضرورت سے زائد ہو، وہ سب معاشرے کے ان افراد تک پہنچانے کو اپنی سعادت سمجھے جو دولت سے محروم ہیں، وستران کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفاق فی سبیل اللہ کے احکام و فضائل سے بھرے ہوئے ہیں۔

پیشہ وارانہ گداگری کا انفراد

معاشرہ کے کمزور افراد کو سرمایہ داروں کے اموال میں حق دلانے سے دوسری طرف معاشرہ میں اس خرابی کے امکانات تھے کہ معاشرہ کا یہ طبقہ مفلوج ہو کر ہمیشہ قوم پر بار بار ہے۔ شریعت اسلام نے اس پر بھی گہری نظر کر کے اون کو بھی خاص قانون کا پابند بنایا ہے کہ

(۱)۔ تندرست توانا آدمی کو بجز مخصوص حالات کے سوال کرنے کا حق نہیں دیا، قرآن کریم

نے "نفترار" کی قابل تعریف صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْمَخَافَةَ

یعنی وہ لوگوں سے لگ پیٹ کر سوال نہیں کرتے :

(۱۲)۔ جس شخص کے پاس ایک دن کے گزارہ کا سامان موجود ہو اس کیلئے سوال حرام کر دیا۔

(۱۳)۔ سوال کرنے کو حدیث میں ذلت قرار دیا۔

(۱۴)۔ جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اس کے لئے بغیر سوال کے بھی

صدقہ لینا حرام کر دیا۔

(۱۵)۔ غریب و مساکین کو اس کی ترغیب دی کہ محنت مزدوری کی کافی کسرت سمجھیں

صدقات سے گریز کریں۔

(۱۶)۔ ارباب اموال کو اس کی ہدایت کی اموال صدقات صرف اپنی جیب سے نکالنا

کافی نہیں بلکہ اس کے مستحقین حاجت مند لوگوں کو تلاش کر کے اون کو پہنچانا

بھی ان کی ذمہ داری ہے۔

(۱۷)۔ محکمہ احتساب کے ذریعہ گداگری کا انسداد کیا گیا۔

ان احکام کے ذریعہ اسلام نے تقسیم دولت کا جو خوشگوار نظام قائم فرمایا ہے اس کے نتیجہ میں

ہماری تلمیذ میں ایسی مثالیں بھی ہیں کہ معاشرے میں صدقات کو قبول کرنے والا دھونڈے سے نہیں ملتا

تھا۔ یہ اسلامی نظام تقسیم دولت کے چند نمایاں خدوخال تھے۔ اس مختصر مقالے میں اس نظام کی اتنی ہی

جھلک دکھانی جا سکتی تھی لیکن امید ہے کہ ان گزارشات سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی، کہ اس معاملے

میں اسلامی نظام معیشت سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں سے کس طرح ممتاز ہے

اور اس کی بنیادی خصوصیات کیا ہیں، واللہ الحمد والہ وآخراً وظاہراً وباطنہ

بندۃ محمد شفیع

خادمہ دارالعلوم کراچی ۱۷

یکم ذیقعدہ ۱۳۸۹ھ یکم فروری ۱۹۶۸ء

مسئلہ سود

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

ربا سود کی تعریف، متعلقہ آیات و احادیث کی دلنشین تشریح اور تجارتی و مہاجنی سود کی حرمت پر مفصل بحثیں، جاہلیت عرب کے ربوا کی تحقیق اور بینکنگ کے نظام پر بہترین تبصرو۔ سود کی دینی و نبوی اور معاشی تباہ کاری پر سیر حاصل بحث
سائز ۲۳ x ۱۸، صفحات ۵۰، عکسی طباعت سفید کاغذ بچہ جلد قیمت ۰۔

بیمہ زندگی

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

بیمہ یعنی انشورنس آجکل ہر قسم کے کاروبار میں ریڑھ کی ہڈی کی سی حیثیت حاصل کر چکا ہے لیکن اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟ اس سے ہم لوگ ناواقف ہیں۔ اس کتاب میں ہر قسم کے بیمہ اور انشورنس کے احکام قرآن اور سنت کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔

سائز ۲۳ x ۱۸، عکسی طباعت، سفید کاغذ قیمت

پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

پراویڈینٹ پر جو منافع یا سود حکومت دیتی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟ اور پراویڈینٹ فنڈ پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں ان مسائل کا شرعی حکم قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے عکسی طباعت سفید کاغذ قیمت

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۷

اسلام کا نظام اراضی

مع فتوح الہند

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

اس کتاب میں زمینوں کی شرعی اقسام اور ان کے احکام کی مکمل تحقیق زمین کے متعلق قرآنی آیات کی تفسیر و تشریح عشر و خراج کے تفصیلی احکام مذاہب اربعہ کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں ہندو پاک کی اراضیات کے مفصل احکام کے ساتھ منما پاک و ہند کی تیرہ سو سالہ تاریخ کا نہایت دلچسپ اور نگر انگیز مجموعہ۔ اردو زبان میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے۔ کتابت طباعت عمدہ گلیر سفید کاغذ قیمت

قرآن میں نظام زکوٰۃ

از تصانیف مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

زکوٰۃ کی حقیقت اور اس کی تاریخ جو قرآن نے بیان کی ہے اور جن میں مصارف زکوٰۃ اور انتظام زکوٰۃ حکومت کے فرائض میں داخل ہونے کا ذکر ہے اور زکوٰۃ کے جملہ مسائل جزئیہ اور نکلے احکام ہیں جس میں زکوٰۃ کے اصولی و فروعی تمام مباحث و مسائل آگئے ہیں اس موضوع پر اردو میں نہایت کارآمد کتاب ہے۔ صفحات ۲۰ کتابت و طباعت عمدہ سفید گلیر کاغذ مجلد قیمت - ۳/

احکام القمار

از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

قمار یعنی جوئے کی تعریف اس کے تمام اقسام کے متعلق شرعی احکام قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں۔ قیمت .

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱۰

چند تصانیف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

تفسیر معارف القرآن اردو جلد کامل

جلد اول سورۃ فاتحہ و بقرہ

جلد دوم آل عمران و نساء

جلد سوم مائدہ تا انعام

جلد چہارم اعراف تا ہود

جلد پنجم یوسف تا کہف

جلد ششم مریم تا روم

جلد ہفتم لقمان تا احقاف

جلد ششم محمد تا آخر

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کامل

ختم نبوت کامل

مقام صحابہ

آلات جدیدہ کے شرعی احکام

تصویر کے شرعی احکام

ایمان و کفر قرآن کی روشنی میں

اوزان شرعیہ

رویت ہلال

تاریخ قربانی

سنت و بدعت

احکام دعا

دوشہید

فضائل بسم اللہ

کشکول

سیرت خاتم الانبیاء

شہید کربلاؑ

ضبط ولادت (عقلی و شرعی حیثیت)

احکام حج و عمرہ

اعضائے انسانی کی پیوند کاری

آداب المساجد

ذکر اللہ اور فضائل درود و سلام

گناہ بے لذت

مصیبت کے بعد راحت

نجات المسلمین

مجالس حکیم الامت

رفیق سفر

آداب الشیخ والمرید

فقہی رسائل کا مجموعہ

معاشی اصلاحات

روح تصوف

علامات قیامت اور نزول میس

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی